تصور مہدیؑ

شہید راہ حق:

حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب:	تصور مہدیؑ
مولف:	حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ
مترجم:	سید افتخار حسین نقوی
کمپوزنگ:	انس کمیونیکیشن 0300-4271066
ناشر:	معراج کمپنی لاہور
زیرِ اہتمام:	ابوظہیر

ملنے کا پتہ

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

0333-5234311

فہرست

عرض ناشر ---------- 5
مقدمہ مولف ---------- 7
نظریہ مہدویت ---------- 8
مہدی کیلئے اس قدر طویل عمر کیسے ممکن ہے؟ ---------- 17
امکان عملی ---------- 17
امکان عملی یا سائنسی ---------- 18
منطقی وفلسفیانہ امکان ---------- 18
معجزہ اور لمبی عمر ---------- 25
یہ سارا اہتمام ایک ذات کی خاطر کیوں؟ ---------- 31
تکمیل قیادت ---------- 39
کیسے ایمان لے آئیں، مہدی موجود ہے ---------- 49
قائد ظاہر کیوں نہیں ہوتا ---------- 57
اس قدر وسیع و عالمگیر کام اور تنہا مہدیؑ ---------- 61
یوم موعود اور عمل تغیّر کا طریقہ کار ---------- 63
اختتامیہ ---------- 64

عَرضِ ناشر

ابتدا ہے اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جو حقیقت میں عبادت کے لائق ہے درود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ جن پر خدا اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں، اور سلام ہے ان کی اولاد پر جو ہماری رہنما اور وصی ہیں۔

آج ہمیں اسلام سے وابستگی اور اسلام سے آگاہی کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ جس طرح اسلام اور اس کا رہنما نظام سمجھنا ضروری ہے جب تک ہم اس رہنما نظام کو سمجھ نہیں لیں گے تب تک ہم کوئی تبدیلی لانے کے قابل نہیں ہوسکیں گے۔

معراج کمپنی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے قیام کے دن سے آج تک منفرد کام سرانجام دیئے ہیں، جناب سید العلما، آغا رہبر اور دیگر اکابرین کے آثار و افکار پر کام کیا اور ان بزرگانِ دین کی کتب کو جمع کر کے اشاعت کے زیور سے آراستہ کیا، اور اب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و آثار کو جمع و تدوین کا بیڑا اٹھایا ہے، شہید کی دستیاب کتب شائع کرنے کا اعزاز بھی معراج کمپنی کے حصہ میں آیا ہے یہ خدا کے احسان کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس نے ہم جیسے سیاہ کاروں کے ان بزرگوں کے آثار کی جمع و تدوین کا کام لیا ہے۔

زیر نظر کتاب جناب امام مہدی علیہ السلام کے موضوع پر اپنی نوعیت کے منفرد کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ مختصر اور جامع بھی ہے، جس میں حل طلب سوالات کے

ٹھوس جوابات پیش کئے گئے ہیں۔

مذکورہ کتاب کا ترجمہ جناب افتخار حسین نقوی کی کاوش کا نتیجہ ہے، اس سلسلہ میں جو بہتر ہوا ہے اس کا افتخار وتہنیت جناب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ اور جناب افتخار حسین نقوی کا خاصہ ہے اور جو غلطی اور کوتاہی ہے وہ دانستہ تو نہیں کی گئی لیکن اس کا ذمہ بہرحال ہمارے فنی معاونین اور ہم سے متعلق ہے۔ امید ہے کہ خدا ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما کر ہمیں آخرت میں سرخرو کرے گا۔

اگر آپ پاس جناب شہید باقر الصدر کی کوئی کتاب موجود ہو تو ازراہ کرم وہ ہمیں ارسال فرما دیں تاکہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر دوسروں کے لئے اور ہمارے لئے دنیا اور آخرت میں کامیابی کا سامان ہو سکے۔

مقدمہ مولف

مستقبل کے کس غیبی دن کے منتظر غیب پر ایمان رکھنے والے ہی نہیں ہیں بلکہ یہ نظریہ دوسرے مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس تصور نے تو ان لوگوں کو بھی متاثر کیا ہے جو کہ غیر محسوس چیزوں اور غیب کے وجود کے منکر ہیں۔ جیسے مادی جدلیت (DIALECTICAL MATERIALISM) کی تاریخ کی شرح تناقضات کی اساس پر ہوتی ہے، ''یوم موعود'' پر اس کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب سارے تناقضات ختم ہو جائیں گے اور دنیا میں صلح و سلامتی کا دور ہوگا۔ اسی طرح ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس تصور و احساس کا تجربہ ان تمام تجربات سے کہیں زیادہ وسیع اور عام ہے جو کہ انسان نے گذشتہ زمانہ میں کئے ہیں۔

جب مذہب اس عام تصور و احساس کی تائید کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ آخر کار دنیا ایک دن اسی طرح عدل و انصاف سے پر ہو جائے گی جیسے وہ ظلم و جور سے بھر چکی تھی تو دین اس احساس کو اس کی قیمت عا کرتا ہے اور مستقبل میں انسانیت کے سفر کے لئے اس عقیدہ میں بدل دیتا ہے۔ یہ عقیدہ صرف دل بہلانے کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ اور طاقت کا سرچشمہ ہے۔ یہ عقیدہ طاقت وقوت کا سرچشمہ اس لئے ہے کہ انتظار مہدی علیہ السلام کے عقیدہ کے معنی ظلم و جور کے خلاف آواز بلند کرنے کے ہیں اور ایک دن پوری دنیا پر ان کی حکومت ہوگی۔ مہدی علیہ السلام کا عقیدہ قوت اور دفاع کا سرچشمہ ہے اس لئے کہ وہ چمکتا ہوا نور ہے جو کہ انسان کے دل سے یاس و ناامیدی کا قلع قمع کرتا ہے اور

اس کے سینہ میں امید کی کرن کو تمام حوادث کے مقابلہ میں روشن کرھتا ہے۔

''یومِ موعود'' کا عقیدہ ثابت کرتا ہے کہ عدل اس ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کا مقابلہ کر کے اس سے ظلم وستم کا خاتمہ کرسکتا ہے اور ایک نئے نظام کی بنیاد رکھ سکتا ہے اور جب ظلم دنیا میں گلبہ اور وسعت پیدا کر لے تو یہ ایک غیر طبیعی وغیر فطری حالت ہوتی ہے جس کا انجام ضروری ہوتا ہے اور ظلم کا اپنے نقطہ عروج پر پہنچنے کے بعد ختم ہوجانا ہر مظلوم فرد اور ہر مظلوم قوم کے اندر نئی امید پیدا کرتا ہے کہ ایک خراب حالات کو بدلنا اور دوسرے نظام کی بنیاد رکھنا ممکن ہے۔

نظریہ مہدویت

مہدویت کوئی نو ایجاد تصوّر نہیں۔ اس کی ابتدا وجودِ کائنات کے ساتھ ساتھ عمل پذیر ہوئی۔ اس نظریہ کا تعلق اسلامی عقیدہ سے مخصوص نہیں بلکہ یہ ایسی خواہشات کا مظہر ہے، جس کی طرف بنی نوع انسان اپنے مختلف ادیان و مذاہب کی پیروی کرتے ہوئے متوجہ ہوئی۔ اس تصوّر ونظریہ کے تحت انسانی فلاح و بہبود کے لئے خطہ ارض پر ایک دن معین ہے جس روز ان آسمانی ادیان کے عظیم مفاہیم کو عملی جامعہ پہنایا جائے گا۔ وہ اپنے آخری اور حقیقی ہدف کو پائیں گے۔ اندھیروں میں محصور کائنات اور صدیوں سے مصائب وآلام کی آگ میں جھلستی انسانیت واطمینان کی منزل کو پہنچے گی۔ وہ دِن سکون و اطمینان کا دن ہوگا۔

بے شک اہل ایمان جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اس غیبی دِن کے داعی اور منتظر ہیں، مگر اس کا اختصاص صرف اہل ایمان کے ساتھ نہیں بلکہ یہ نظریہ دیگر اذہان میں بھی سرایت کر گیا ہے اور اس کا عکس سخت ترین نظریات وعقائد رکھنے والوں پر بھی پڑا جو غیب کے منکر ہیں۔ جدت پسند اور مادیت پرست حضرات جنہوں نے تاریخ کی تفسیر متناقضات سے کی ہے وہ بھی ''یومِ موعود'' کے متعلق سوچنے پر مجبور نظر آتے ہیں جس روز یہ تمام

تناقضات ختم ہوجائیں، عدل وانصاف کا بول بالا اور اتحاد وسلامتی عام ہوجائے گی۔

''تصور یا عقیدۂ یوم موعود'' دنیا میں عدل وانصاف کی پرچم کشائی کا نام ہے۔ اس عقیدے کے مطابق عدل کیلئے لازم ہے کہ وہ ایک دن ظلم وستم کے خلاف سینہ سپر ہو اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کے بعد اس کائنات کو نئی بنیادوں پر استوار کرے۔ ظلم ایک غیر فطری اور غیر طبعی کیفیت کا نام ہے۔ اس کا غلبہ دُنیا کو جس قدر سیاہیوں میں محصور کردے، سیاہ آندھی کی طرح تمام موجوداتِ ارض کو اپنی لپیٹ میں لے لے لیکن اپنی غیر فطری اور غیر طبعی خصوصیّت کی بنا پر اس کا انجام شکست ہے ''یوم موعود'' ظلم کی تمام آب وتاب اور عروج کی حتمی اور لازمی شکست ہے۔ لہٰذا ''نظریہ مہدویت'' مظلوم انسانوں کیلئے اُمید کی روشن کرن ہے۔ ظلم واستحصال میں جکڑے انسانوں کو یقین دلاتا ہے کہ ایک ایسا دن طلوع ہونے والا ہے جب عدل وانصاف کے اصولوں پر کائنات کی تعمیر نو ہوگی۔

تصورِ مہدویت ظہورِ اسلام سے قبل بھی دُنیا میں عمل پذیر تھا۔ اس کی قدامت اور آفاقیت میں کوئی شبہ نہیں۔ اسلام نے اسے اپنے مخصوص انداز اور نکتہ نظر سے بیان کیا، تاریخ ادیان کے ورق اوّل سے یہ نظریہ مظلوم لوگوں کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اسلام نے اسے مزید مضبوط ومستحکم کیا (کیونکہ اسلام میں بھی مہدّویت کا تصور موجود ہے تاکہ مظلوموں کے اذہان میں مایوسیوں سے نجات کی امید مزید پختہ ہوجائے۔ اسلام ہی نے غیبی نظریہ کو مہدی علیہ السلام کے حوالے سے عملی وجود بخشا اور اسے مستقبل سے سمیٹ کر زمانہ حاضر میں لے آیا۔ دُنیا اس کی منتظر تھی جو مستقبل بعید میں اسکو تحفظ فراہم کرنے والا تھا۔ اسلام نے دنیا کو ذات مجہول کے بجائے ایک فعلی نجات دہندہ کی طرف متوجہ کیا جو عملاً خود بھی منتظر ہے اور دُنیا کے ساتھ ''یوم موعود'' کا انتظار کررہا ہے کہ جب وہ اپنی آمد کے عملی حالات کی تکمیل پر اپنا عظیم کرادا کرسکے گا۔

پس مہدیت کسی فرد کی ولادت کا انتظار یا کسی خبر کی سچائی کا انتظار نہیں ایک واقعی اور خارجی عمل ہے جس کے اثرات کے ہم منتظر ہیں۔ وہ ایک انسان معین ہے جو بنی

انسانی شخصیت کے ساتھ زندہ ہے ہمیں دیکھتا ہے۔ ہمارے دُکھ سُکھ اور رنج و محسن میں شریک ہے۔ وہ زمین پر کمزوروں اور مظلوموں پر ہونے والی زیادتیوں کو دیکھتا ہے اور بے چینی و بے قراری کے ساتھ اس وقت کا منتظر ہے جب اس کا ہاتھ ان کی دادرسی کو بڑھے گا اور ظالموں کا نشان تک مٹا دے گا۔ اس قائد عدل و انصاف کیلئے یہ طے کیا گیا کہ وہ دوسروں کے سامنے اپنی موجودگی کا اعلان اور زندگی کا انکشاف نہ کرے حالانکہ وہ ان کے درمیان موجود ہے اور زندہ ہے اور اپنے ہمعصروں کے ساتھ ''یومِ موعود'' کا بڑی شدت سے منتظر ہے۔ ظاہر ہے مہدویت کا یہ اصلاحی وضاحت و توضیح اس غیبی حقیقت کو عملی دنیا سے قریب تر کرتی ہے اور مظلوموں کے درمیان اسے موجود کر دیتی ہے چاہے ان کے نفسیاتی شعور میں انتظار کی گھڑیاں کس قدر بھی طویل کیوں نہ ہوں یہ اسلامی وضاحت و تفصیل ان مظلوم انسانوں اور اس نجات دہندہ کے درمیان ایک مختصر پُل کا کام دیتی ہے۔

مہدویت کے بارے میں اسلامی نظریہ ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اُس پر اِس طرح ایمان لائیں کہ اسے (مہدیؑ) ایک معین زندہ انسان تسلیم کریں جواب ہمارے ساتھ ہم سب کی طرح زندگی بسر کر رہا ہے اور مشیتِ ایزدی کیطرف سے ایک معین وقت کا منتظر ہے جس کا انتظار ہم بھی کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ تصورات ہمارے نفوس پر وحی کا درجہ رکھتے ہیں جو انسانوں کو ظلم و ستم کی پرواہ نہ کرنے کا حوصلہ بخشتے ہیں کیونکہ یہ ظلم و ستم آخر کار مہدی علیہ السلام کے ہاتھوں نیست و نابود ہونے ہیں اس طرح ظلم و ستم کے اختتام کا انحصار اس منتظر قائد پر ہے جو کسی ظالم کی بیعت نہیں کرے گا اور جو عنقریب ظاہر ہونے والا ہے۔ اس نظریہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے عہد کے ظالمانہ نظام کی اتباع نہ کریں اور عادلانہ نظام کے قیام کیلئے جدوجہد کریں۔

احادیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں انتظار کی اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو مہدی علیہ السلام کے مسلسل انتظار کی متعدد بار تاکید کی گئی ہے۔ اس طرح مومنین

اور ان کے قائد کے درمیان روحانی رشتے وتعلق اور وجدانی ربط کو ثابت کرتا ہے مگر یہ ربط وتعلق صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مہدی علیہ السلام زمانہ حال میں انسانی شخصیت میں موجود ہو، لہٰذا یہ نظریہ مہدی علیہ السلام کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔

مزید برآں ہر وہ انسان جو ظلم وستم کی پرواہ نہیں کرتا اس نظریئے سے حوصلہ پاتا ہے اور جو رنج والم اُسے ظالموں سے پہنچتے ہیں ان کے اثرات میں تخفیف ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس عقیدے کا قائل ہونے کی وجہ سے جانتا ہے کہ وہ ہرگز تنہا نہیں بلکہ اس کا امام وقائد اس کے رنج والم میں شریک ہے وہ قائد بھی عملی طور پر ان جور وستم کا احساس رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کا ہم عصر اور اس کے انسانی شخصیت میں موجود ہے یعنی مستقبل میں پیدا ہونے والی یا آنے والی کوئی شخصیت نہیں بلکہ عملی طور پر موجود وقائم ہے۔

ایک مادی وجود پر عقیدہ رکھنے سے کچھ منفی پہلو بھی نکلتے ہیں اور بہت سے افراد کو نظریہ مہدویت اختیار کرنے میں ذہنی الجھاؤ محسوس ہوتا ہے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ اس نظریئے کے مطابق مہدی علیہ السلام ایسا معین انسان ہے جو گذشتہ دس صدیوں سے بھی زیادہ عرصے سے موجود ہے اور ایک وقت معین پر ظہور تک برابر موجود رہے گا۔ مگر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک انسان طویل زندگی بسر کرے اور ان طبعی اور فطری قوانین وعوامل سے ماوراہو جس سے ہر انسان کو گزرنا پڑتا ہے، یعنی پیدائش، جوانی، بڑھاپا اور آخر فطری طور پر ایک مدت کے بعد مرجانا۔ کیا یہ بات فطری اور مادی اعتبار سے ناممکن ومحال نہیں؟ دوسرا سوال وہ یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سب اہتمام اس خاص انسان کیلئے کیوں؟ جس کی خاطر اسے تمام فطری وطبعی قوانین معطل کرنا پڑے اور ''یوم موعود'' تک اس کی زندگی کی حفاظت کرنے کا دشوار کام ذمہ لینا پڑا۔ کیا انسانیت بانجھ ہوگئی ہے کہ وہ ہمعصر قائدین پیدا نہیں کرسکتی۔ یہ مسلسل وقت اس قائد کیلئے کیوں مختص کیا گیا جبکہ وہ قائد عام طبعی وفطری قوانین کے ساتھ ''یوم موعود'' کو ہی پیدا کرسکتا تھا۔ عام لوگوں کی طرح پرورش پاتا اور بتدریج اپنے مشن پر عمل کرتا یہاں تک کہ ظلم وستم کا خاتمہ اور عدل و

انصاف کا آغاز کرتا۔

ان کے محل نظر تیسرا سوال مہدی علیہ السلام کی ولادت سے متعلق ہے کہ گر مہدی علیہ السلام اس معین شخصیت کا نام ہے جو آئمہ اہل بیتؑ میں گیارہویں امام کے فرزند ارجمند ہے۔ اور ۲۵۶ھ میں پیدا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے والد ماجد کے بوقت وفات پانچ سال سے زیادہ عمر کا نہیں ہوسکتا۔ یہ عرصہ عمر کا ایسا حصہ ہے جس میں فکر وشعور اور عقل و دانش کی کمی کی بنا پر دینی یا دنیاوی علم میں دسترس کرنا محال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کیوں کر ممکن ہے اس (مہدی علیہ السلام) نے اتنی کم عمری میں اپنے والد سے مکمل تعلیمات و ہدایات حاصل کر لی ہوں گی پس کیسے اس شخص میں اس قدر اہم کام کو سرانجام دینے کیلئے کافی وشافی صلاحیت وقابلیت ہوسکتی ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اس میں اس قدر طاقت و استعداد ہے اور وہ اس کام کیلئے ہر لحاظ سے تیار ہے تو پھر یہ انتظار کس لئے؟ اور کیا یہ صدیوں کا انتظار بے معنی نہیں؟ کیا معاشرے نے جو ظلم وستم سہے ہیں یا جن مصائب و آلام سے گزر رہا ہے یہ اس بات کا جواز نہیں کہ قائد ظہور پزیر ہو اور جبر و استحصال کی تاریکیوں میں شمع عدالت فروزاں کرے۔

اب ایمان کا سوال ہے کہ کس طرح مہدی علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ سابقہ تمام باتیں ممکن ہیں تو کیا انسان ایک فرضی بات پر بغیر کس شرعی اور عقلی دلیل کے ایمان لے آئے اور پھر اس کا معتقد ہو جائے؟ کیا عقیدہ کیلئے وہ چند روایات واحادیث جو رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کی جاتی ہیں کافی ہیں کہ جن کی صحت و درستی کا بھی یقین نہیں؟

کیا ''یومِ موعود'' کا عظیم فرد واحد سے انجام پذیر ہونا ممکن ہے کیونکہ یہ کام تاریخ کے دھارے موڑنے کے مترادف ہے جبکہ تاریخ بڑی بڑی تحاریک وشخصیات کے صدیوں پر محیط مسلسل عمل کا نام ہے اور ان بڑی شخصیات نے اپنے دور کے مسائل کا نہ صرف تجزیاتی وکلی ادراک کیا بلکہ ذاتی فہم وفراست سے ان مسائل کو حل بھی کیا اور پھر

کہیں جا کر تاریخِ انسانیت میں جگہ پائی تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک فرد جس کی صلاحیت و قابلیت ابھی تجربات سے گزری نہیں ہم اس سے امید رکھیں کہ وہ ظاہر ہوگا اور تن تنہا تمام مسائل کو حل کر دے گا۔ اور ایک تاریخی انقلاب برپا کریگا۔

یہ تھے وہ سوالات جو اذہان میں مختلف انداز سے جنم لیتے ہیں۔

ان کے اسباب فقط فکری و نظریاتی نہیں بلکہ کسی قدر نفسیاتی اور فطری بھی ہیں۔

پوری دنیا پر طاری احساس خوف و مصیبت دُنیا پر روز بروز بڑھتے ہوئے جو رو ستم بے دینی کا تند و تیز رفتار سیلاب ہر شخص کے حالات میں تبدیلی کی ناکام خواہش جیسے محرکات شکوک شبہات میں اضافے کا باعث لیتے ہیں۔ اس طرح انسان میں نظریاتی شکست و ریخت اور کمزوری اور گمراہی کا احساس ابھرتا ہے۔ نوبت بہ ایں رسید کہ وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ پورے عالمی نظام میں تبدیلی ایک عظیم جنگ و جدل اور قتل و غارت کا پیش خیمہ ہے۔

اب ہم سابقہ سوالات کو بالترتیب موضوعِ گفتگو بناتے ہیں اور ہر سوال کا جواب وسعت اوراق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مہدیؑ کیلئے اس قدر طویل عمر کیسے ممکن ہے؟

مہدی کیلئے اس قدر طویل عمر کیسے ممکن ہے؟

دوسرے لفظوں میں کیا اس بات کا امکان موجود ہے کہ کوئی انسان اس فاسد کائناتی نظام کو بدلنے کیلئے صدیوں زندہ رہے؟

جیسا کہ اس قائد کیلئے اسلامی نکتہ نگاہ سے فرض کیا گیا ہے جس کی عمر شریف اس وقت ایک ہزار ایک سو اکتالیس سال کو پہنچ چکی ہے یعنی عام انسانوں کی عمر سے چودہ گنا زیادہ۔

تو سب سے پہلے ہم لفظ ''امکان'' کو لیتے ہیں جس سے اس جگہ تین مفاہیم لئے جاسکتے ہیں۔

﴿۱﴾ امکان عملی

﴿۲﴾ امکان عملی یا سائنسی

﴿۳﴾ امکان منطقی یا فلسفیانہ امکان

امکان عملی

جہاں تک امکانِ عملی کا تعلق ہے اس سے میری مُراد ہماری آپ کے یا کسی اور کے لئے ایسی بات کا قوی امکان ہو کہ جس کے ذریعے کچھ ایجاد یا دریافت کیا جاسکے یا عملاً یا فعلاً کچھ کہا جاسکے مثلاً سمندر میں سفر کرنا، اس کی تہہ میں اترنا یا چاند پر جانا۔ ایسے

مفروضے میں جن کا ''امکان عملی'' ہے اور ایسے لوگ موجود ہیں جو گاہے بگاہے ایسی مشقیں کرتے رہتے ہیں۔

امکان عملی سے مراد، کائنات میں کچھ ایسے تصورات ہیں جو ہمارے آپ کے لئے عملی لحاظ سے تو ممکن ہیں مگر خواہ ہم عملاً اس ترقی یافتہ دور کے جدید وسائل سمیت جس قدر کوشش کریں عملی لحاظ سے ممکن نہیں۔

امکان عملی یا سائنسی

لیکن سائنس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جو اِن تصورات کے امکانات کی نفی کرے، مثلاً انسان کا ''زہرہ'' پر جانا۔ سائنسی اعتبار سے ممکن ہے کیونکہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس امکان کی نفی کرے بلکہ موجودہ سائنسی آلات کی مدد سے'' زہرہ'' پر جانا ممکن نظر آتا ہے۔ کیونکہ ''زہرہ'' اور چاند پر جانے میں ایک حد تک فرق ہے جو ذرا اضافی محنت وکاوش کا متقاضی ہے۔ بس فی الحال ''زہرہ'' پر جانا تو عملی طور پر ناممکن ہے لیکن سائنسی اعتبار سے ممکن ہے اس کے برعکس آتش کدۂ آفتاب پر جانا ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سائنس کو فی الحال کوئی امید نہیں کہ وہ کسی دن اس دہکتے ہوئے قرصِ شعلہ وآگ تک رسائی کرے گی کیوں کہ سورج کی حدت سے محفوظ رہنے والی کسی شے کا بنانا فی الحال سائنس کے لئے ناممکن ہے۔

منطقی وفلسفیانہ امکان

اب رہا منطقی وفلسفیانہ امکان، اگر کوئی مفروضہ، تجربہ سے ابھی تک نہ گزر پایا ہو مگر پھر بھی عقل اس کی صداقت پر دلیل کرے تو یہ امکان منطقی ہوگا۔ مثلاً تین اشیا کا بغیر کسر لگائے مساوی طور پر تقسیم ہو جانا عقلی اعتبار سے ناممکن ہے۔ عقل تجربہ سے قبل اس حقیقت تک یوں پہنچتی ہے کہ تین طاق عدد ہے جو جفت نہیں پس اس کا مساوی تقسیم ہونا

ممکن نہیں کیونکہ طاق اعداد کی مساوی تقسیم ممکن نہیں ہوتی۔

لیکن عقلی اعتبار سے یہ مفروضہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ درجہ حرارت والا جسم کم حرارت والے جسم کو نہ جلائے اس مفرضے کے تحت انسان آگ یا سورج میں بھی جلنے سے محفوظ رہ سکتا ہے لیکن یہ تجربہ کے برعکس ہے کیونکہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ حرارت زیادہ گرم شے سے کم گرم شے میں منتقل ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ منطقی امکان علمی یا سائنسی امکان سے اور علمی یا سائنسی امکان عملی امکان سے وسیع تر ہے۔

اس میں تو شک نہیں کہ کسی انسان کا ہزاروں سال زندہ رہنا منطقی اعتبار سے ممکن ہے یعنی یہ بات محال نہیں اور نہ ہی تضاد ہے کیونکہ انسانی زندگی کا ہرگز مفہوم یہ نہیں کہ اسے ضرور جلد ہی فنا ہونا ہے اور نہ ہی اس سے اس کے عرصے کا کوئی تعین ہوتا ہے مگر اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں کہ انسان کا ہزاروں سال زندہ رہنا عملاً غیر ممکن ہے کیونکہ سائنس ابھی تک اپنے جدید ترین آلات اور ترقی کے باوجود انسانی عمر میں اس حد تک اضافہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکی حالانکہ ہر سائنس دان کو فطری طور پر زیادہ عرصہ زندہ رہنے کی خواہش ہوتی ہے مگر ہر سائنس دان ایک معین عرصہ کے بعد مر جاتا ہے۔ بہر حال اس کا سائنسی امکان موجود ہے۔

انسانی بڑھاپے کی تفسیر یہ ہے کہ بڑھاپے کی ظاہری وجہ انسانی جسم کی ساخت کو لئے ایک فطری قانون ہے۔ جسم ایک حد تک بڑھنے کی بعد بتدریج کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کے معطل ہونے کا وقت آ پہنچتا ہے۔ جسمانی خلیوں کا اس طرح کم ہونا اپنے فزیالوجسٹ کے کام سرانجام دینے کا نتیجہ ہے یا خارجی اسباب سے مڈبھیڑ کا نتیجہ ہے۔ مثلاً جراثیم یا وہ زہر جو مضر غذا کھانے سے جمع ہوتے رہتے ہیں۔ پس اگر ہم سائنسی نظریہ سے بڑھاپے کی ہی تفسیر کریں تو ممکن ہے ہم انسانی جسم کے اعضا و خلیات کو خارجی عوامل سے محفوظ رکھ کر زندگی کو بڑھاپے کے انتہا سے آگے بڑھا لے جائیں۔ اور یہ کمزوری لاحق نہ ہو اور اگر بڑھاپے کی تفسیر ایک فطری قانون کا

نتیجہ قرار دیں یعنی انسانی جسم کے خلیات اپنے اندر ایک حتمی فنا لئے ہوئے ہیں اور بڑھاپے سے گزر کر انہیں فنا ہونا ہے۔ چنانچہ اب ہمارے پیشِ نظر دو نظریات ہیں۔

اوّل یہ کہ بڑھاپا جسمانی خلیات کا خارجی عوامل کے ساتھ ٹکراؤ اور متاثر ہونے کا نتیجہ اور اگر ہم ان خلیات کو خارجی عوامل سے محفوظ رکھیں تو انسانی عمر میں کئی گنا اضافہ ممکن ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کو صدیوں پر محیط کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس ایک فطری و طبعی (فنا ہونے کا) قانون، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ طبعی قانون بے لچک ہے بلکہ وہ اس مفروضے کے باوجود لچک دار قانون ہے۔ کیونکہ ہم اپنی زندگی میں اور سائنس دان اپنی تجربہ گاہوں میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ بڑھاپے کا فزیالوجی کے اثر کے تحت کوئی زمانہ نہیں۔ یہ کبھی جلدی اور کبھی دیر میں رونما ہوتا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی افراد زندگی کا بیشتر حصہ گزار چکے ہوتے ہیں مگر پھر بھی ان کے اعضا تمام تر قوتوں سے برآمد ہوتے ہیں اور بڑھاپے کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ پھر ماہرین طبّ اور سائنس دانوں نے اس لچک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حیوانات پر عملی تجربے کئے ہیں اور ان کی طبعی عمر سے سینکڑوں گنا زیادہ عمر بڑھا دی ہے اس سے سائنسی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاص ماحول اور حالات پیدا کر کے عمر کو طولانی کرنا ممکن ہے۔ حیوان و انسان میں فقط ایک درجہ کا فرق ہے کہ ابھی تک سائنس دان اس بات پر قادر نہیں ہوئے کہ وہ انسان کو زیادہ دیر تک زندہ رکھ سکیں۔ اس کی وجہ انسانی سلسلہ میں نسبتاً زیادہ محنت ہے۔ چنانچہ جب حیوانی زندگی میں اضافہ ممکن ہے تو انسانی زندگی میں بھی ناممکن نہیں۔ پس بڑھاپے کی تفسیر جو بھی کریں سائنس کسی انسان کی عمر کے طولانی ہونے کی نفی نہیں کرتی۔ خلاصہ یہ کہ انسانی عمر کا طویل تر ہونا منطقی و فلسفی اور سائنسی اعتبار سے ممکن ہے، لیکن عملی اعتبار سے ابھی تک یہ بات دائرہ امکان سے باہر ہے۔

اب ہم حضرت مہدی علیہ السلام کی زندگی پر بات کرتے ہیں جو معرضِ سوال اور مقام تعجب بنی ہوئی ہے۔

سابقہ بحث کے مطابق لمبی عمر منطقی اور سائنسی اعتبار سے ممکن ہے اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سائنس اس نظری اور فکری مفروضے کو عملی جامہ پہنانے کی سعی میں مصروف ہے مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود امام مہدی علیہ السلام کا وجود کس طرح سائنس سے سبقت لے گیا۔ یعنی قبل اس کے سائنس اس عملی نتیجہ پر پہنچتی ہے اس نے اس نظری و فکری امکان کو عملی جامہ اپنے وجود سے پہنا دیا یہ تو اسی طرح کہ سرطان کا مریض سائنس اور سائنس دانوں سے پہلے ہی اپنی دوا ایجاد کر لے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اسلام اسی حوالے سے ئنس پر کس طرح سبقت لے گیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام صرف اسی میدان ہی میں سبقت نہیں لے گیا بلکہ شریعت اسلامیہ تمام تر سائنس اور طبعی فکر انسان پر سبقت رکھتی ہے۔ کیا اسلام نے صدیوں پہلے ایسے شعار نہیں دیئے جن میں انسان کے سامنے کئی منصوبے رکھے گئے اور ان تک انسانی رسائی بہت دیر میں ہوئی؟ کیا اسلام ایسے باحکمت قوانین نہیں لایا جن کے اسرار انسانی اذہان پر مدتوں بعد منکشف ہوئے؟ کیا آسمانی پیغامات نے بعض کائناتی اسرار و رموز نہیں کھولے۔ جن تک سائنس اب پہنچی ہے۔

یہ بہت سارے ایسے حقائق موجود ہیں جن کی تہہ تک انسانی فہم و دانش ابھی تک نہیں پہنچی پس اگر ان تمام پر ایمان لاتے ہیں تو پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے امام مہدی علیہ السلام کے وجود اور لمبی عمر پر تعجب کیسا؟ اس مقام پر میں فقط وہ حقائق، قوانین اور شعار بتا رہا ہوں جن میں اسلام نے سبقت حاصل کی اور ہم جن کا ادراک بھی کر سکتے ہیں۔ ہم اس کی مثال قرآن مجید کی اس خبر سے دیتے ہیں جس کے مطابق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک سیر کرائی گئی اگر ہم اس بات کو طبعی وفکری قوانین کی مدد سے پرکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سائنس اس نتیجہ پر سینکڑوں سال بعد پہنچی پس خود اللہ سبحانہ کی طرف سے یہ اطلاع کہ اس نے بندے کو سیر کرائی اس بات کے امکان کا ثبوت ہے کہ انسان کے واسطے اتنی لمبی عمر ممکن ہے۔

عوام الناس میں معروف حد تک زندگی بہت کم ہے۔لہٰذا اس نجات دہندہ قائد منتظر کی طولانی زندگی کچھ عجیب معلوم ہوتی ہے اوراس کے ساتھ سائنسدانوں کے تجربات بھی اس طولانی پن کو نہیں اپنا سکے،لیکن کیا وہ معروفِ عام تغیر وتبدل یا عظیم کام جو اس عظیم قائد کے ذمہ ہے عجیب معلوم نہیں ہوتا؟ وہ تاریخی ادوار جو ماضی کا حصہ بن چکے ہیں اور پوری کائنات کا نظام جس کا اس پر انحصار ہے، پھر عدل و انصاف اورحق کی بنیاد پر معاشرتی تہذیب وتمدن کی از سرِ نوتعمیر کرنا ہے پس ہم کیوں تعجب کا شکار ہوتے ہیں جبکہ اس قائد کے بارے میں بعض غیر معروف باتیں سامنے آتی ہیں۔مثلاً عمر کا طولانی ہونا وغیرہ، چنانچہ جب ہم تاریخی اعتبار سے اس بات کے معتقد ہیں کہ اتنی بڑی تبدیلی جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی ایک قائد سرانجام دے گا تو پھر ہمیں اس کی عمر کے طولانی ہونے میں تعجب نہیں ہونا چاہیے اگر چہ ہمارے معروف مشاہدہ میں اتنی لمبی عمر کا انسان نہیں پایا جاتا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ دو اشخاص جن کے ذمہ دنیا کو فساد سے محفوظ رکھنا قرار دیا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک طویل عمر پاتا ہے جو معروف زندگی سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک جس نے اپنے کام کو ماضی میں سرانجام دیا۔حضرت نوح علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم میں موجود رہے اور پھر معروف طوفانِ نوح کے ذریعے پورے نظام کو از سر نو بدلنے میں کامیاب ہوئے۔ اوران میں دوسرا اپنے فرض و ذمہ داری پر مستقبل میں عمل کرے گا اور وہ تقریباً ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے سے اپنی قوم میں موجود ہے اور وہ ہیں امام مہدی علیہ السلام۔ پس عنقریب اس کی آمد کے اسباب مہیا ہوں گے اور وہ اس قابل ہوگا کہ فسق و فجور سے تاریک دنیا کو عدل و انصاف کی شمع سے روشن کرے اور باطل قوتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نیست ونابود کردے۔ پس یہ تضاد و چہ معنی دارو؟ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل عمر کو تو تسلیم کیا جارہا ہے لیکن حضرت مہدی علیہ السلام کی عمر کے سلسلے میں شک وشُبہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔

معجزہ اور لمبی عمر

معجزہ اور لمبی عمر

ہم طے کر چکے ہیں کہ سائنسی اعتبار سے صدیوں پر محیط عمر ممکن ہے لیکن اب ہم فرض کرتے ہیں کہ یہ عملی اعتبار سے ناممکن ہے اور بڑھاپے کا قانون نہ ٹوٹنے والا ہے، نیز آج اور آنے والے کل کے انسان کے لئے اس قانون پر غلبہ ممکن نہیں تو پھر طولانی عمر چہ معنی دارد؟، مثلاً نوح علیہ السلام یا جناب مہدی علیہ السلام کا صدیوں زندہ رہنا (بظاہر) طبعی قوانین کے خلاف ہے، وہ طبعی قوانین جنہیں سائنسی تجربات، جدید تحقیقات اور دیگر مختلف طریقوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ ایک معجزہ ہوگا۔ جس نے ایک معین حالت میں اس طبعی قانون کو معطل کر دیا ہے اور ایک ایسے شخص کو محفوظ کر دیا ہے جس کے ذمے آسمانی پیغام کی حفاظت ہے۔ یہ معجزہ اپنی نوع میں ہرگز تنہا یا منفرد نہیں اور نہ ہی اسلامی عقیدہ رکھنے والوں کے لئے باعث تعجب ہے کیونکہ وہ مسلمان جو قرآن و سنت کے حوالے سے عقائد قائم کرتے ہیں بڑھاپے کے قانون کو زیادہ گرم جسم سے حرارت کا تھوڑے گرم جسم کی طرف انتقال کے قانون سے زیادہ سخت نہیں پاتے اور وہ بھی جانتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اس قانون کے تعطل پر منحصر تھی تو اس قانون کو معطل کر دیا گیا اور حضرت ابرہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو وہ گلزار ہو گئی جیسا کہ قرآن میں ارشاد رب العزت ہے۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: ہم نے کہا اے آگ ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈک اور

سلامتی بن جا۔[1]

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ رکھا گیا اور اس طرح اور بھی بہت سے طبعی قوانین کو اکثر انبیاء علیہم السلام کی حمایت میں (جو زمین پر حجت خدا تھے) توڑا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے سمندر کو دولخت کیا گیا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو رومانیوں کی نظروں کے سامنے ان کی پکڑ سے محفوظ کیا گیا۔ قریش مکہ کے بڑے بڑے سورماؤں کے محاصرے کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بخیر و عافیت اور ان کے ارادوں سے محفوظ رکھتے ہوئے گھر سے نکالا گیا۔ یہ تمام واقعات وحالات اس امر کی نشاندھی کرتے ہیں کہ حکمتِ خداوندی کے مطابق ان ہستیوں کو شر اعداء سے محفوظ رکھنے کے لئے طبعی قوانین کو معطل کیا گیا۔ پس بڑھاپے کا طبعی قانون بھی اسی طرح حکمتِ خداوندی کیلئے معطل ہوسکتا ہے۔

مختصر یہ کہ ان تمام واقعات وحالات کی روشنی میں ہم یہ قانون اخذ کر سکتے ہیں کہ جب بھی زمین پر حجت خدا کی زندگی کا تحفظ کسی طبعی قانون کی معطلی پر موقوف ہو اور اس شخص کی زندگی کسی اہم فریضہ کے لئے بچانا مقصود ہو تو رب ذوالجلال اس مقصد کے لئے طبعی قوانین معطل کر دیتا ہے تا کہ وہ شخص معینہ وقت میں اس فریضہ کی ادائیگی کر سکے اور اس کے برعکس جب اس حجت خدا کا وہ کام جس کیلئے اسے مبعوث کیا گیا تھا ختم ہو جاتا ہے تو طبعی قوانین کے مطابق وفات پا جاتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے۔

اس عام مفہوم کے ضمن میں ہمیں ایک اور سوال کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ایک طبعی قانون کو کس طرح توڑا یا معطل کیا جا سکتا ہے؟ اور طبیعت کے مظاہر میں جو ربط و تعلق ہے اس کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟ کیا یہ سائنسی نظریات کے مخالف نہیں؟ ہم اس کے جواب میں طبعی قوانین کے سلسلے میں سائنس کا ہی اختیار کردہ نظریہ احتیاج پیش کریں گے۔

اور اس کی وضاحت یوں ہوگی کہ سائنس تمام تر طبعی قوانین تجربات ومشاہدات کی روشنی میں اخذ کرتی اور بناتی ہے یعنی سائنس جب کسی چیز میں مشاہدہ یا تجربہ کرتی ہے

---

[1] سورۃ الانبیاء

کہ فلاں چیز ہمیشہ اس سبب سے وجود میں آتی ہے یا ہمیشہ اس شے کے وجود میں آنے سے دوسری شے وجود میں آجاتی ہے تو وہ اس مشاہدہ کی روشنی میں ایک طبعی قانون بنا دیتی ہے لیکن سائنس اس طبعی قانون میں دو چیزوں کے درمیان اس تعلق کو حتمی نہیں سمجھتی اور نہ ان اشیا کے درمیان یہ رابطہ حقیقی واقعی ہے اور یہ کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک غیبی امر ہے اور سائنسی تجربات، استقرا اور مشاہدات سے اس غیبی حالت کو نہیں سمجھا جا سکتا، بالالفاظ دیگر سائنس میں ابھی اس قدر وسعت نہیں کہ اس کی مدد سے غیبی حالت کو سمجھا جا سکے۔ علم جدید یعنی سائنس کے مطابق طبعی قانون کی رو سے دو اشیا کے درمیان ضروری ہے اور حتمی تعلق و رابطے کا انکشاف نہیں ہوتا بلکہ جب دو اشیا کے درمیان اس طرح مسلسل اتصال کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ایک شے کے بعد دوسری شے موجود ہوتی ہے اور بار بار اس مشاہدے کی تکرار ہوتی ہے تو اس مظاہرہ کو دیکھ کر اس سے ایک عمومی اور ظاہر کا قانون بنا دیا جاتا ہے۔

پس اگر کوئی معجزہ ان دو اشیا کو جن کا آپس میں گہرا ربط و تعلق ہے ایک دوسرے سے جدا کر دے تو درحقیقت اس مقام پر ان کے درمیان حقیقی و حتمی تعلق کو نہیں توڑا گیا کیونکہ ان کے درمیان کا حقیقی اور واقعی تعلق تو ایک غیبی امر ہے کہ جسے ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم نے تو ان دو اشیا کو کشف کیا تھا اور اسی ظاہری امر کی بنا پر ایک عام قانون اخذ کیا تھا۔ پس جب مصلحت ایزدی سے ان دو اشیا میں علیحدگی واقع ہوئی تو ہم جان گئے کہ ان کے درمیان وہ ظاہری تعلق حقیقی نہیں تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ سائنسی ترقی کی اس منزل پر اس قسم کے معجزات کی تصدیق بڑی آسان اور پہلے کی نسبت زیادہ قابل فہم ہوگئی ہے۔ کیونکہ زمانہ قدیم کے علما اس نظریئے کے قائل تھے کہ جب دو چیزیں یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے بعد خارج میں موجود پائیں اس طرح کہ ان دو چیزوں میں ایک حقیقی و واقعی ربط تعلق ہے اور ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا محال ہے لیکن جدید سائنس کی منطق میں اس رابطے کے بارے میں بغیر اس کے کہ وہ دو چیزوں کے درمیان

ایک غیبی ضروری رابطے کو فرض کریں۔ دو چیزوں کے آپس میں مسلسل اتصال کو قانون اتصال کا نام دیتے ہیں۔ ایسی دو چیزیں جن کا آپس میں مسلسل اتصال ہو اگر معجزہ ان میں علیحدگی ڈال دے تو یہ قانون کی استثنائی صورت ہوگی۔

بہر حال استقرا کے منطقی اصولوں کی بنیاد پر اس نظریئے کا اثبات بالکل آسان ہے اور وہ اس طرح کہ ہم استقرا کی تفسیر کے متعلق جدید نظریات سے بالکل متفق ہیں جن کے مطابق استقرا خارج میں دو چیزوں کا ایک دوسرے کے بعد واقع ہونے پر ان دو چیزوں کے درمیان تھی وہ لازمی تعلق و رابطہ پر دلیل قائم نہیں کرتا، لیکن دو چیزوں کا آپس میں مسلسل اتصال ایک ایسی مشترک تفسیر کرتا ہے جس میں ممکن ہے کہ اس اتصال کے لئے ایک ضروری اور حتمی تعلق کو فرض کر لیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ منظم کائنات کی حکمت نے یہ اقتضا کی ہو کہ اس نے ان دونوں کے درمیان اتصال کو حتمی ضرورت کی بنیاد پر نہ رکھا ہو اور یہی حکمت جو کبھی اس بات کی متقاضی ہوسکتی ہے کہ ان چیزوں کے درمیان اتصال کو ختم کر دیا جائے پس اب کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح معجزہ دینی مفہوم کے اعتبار سے عقلاً ممکن ہے اسی طرح جدید سائنس کی منطق میں بھی نہ صرف اس کا امکان موجود ہے بلکہ اسی حقیقت کو موجودہ زمانے میں ازمنۂ قدیم کی نسبت سمجھنا نسبتاً آسان ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

یہ سارا اہتمام ایک ذات کی خاطر کیوں؟

یہ سارا اہتمام ایک ذات کی خاطر کیوں؟

اب ہم دوسرے سوال کو موضوع بحث بناتے ہیں کہ پروردگار کی جانب سے یہ تمام تر اہتمام ایک خاص انسان کیلئے کیوں؟

اور کس لئے اس کی عمر کو طول دینے کے لئے طبعی قوانین معطل کئے گئے؟

اس موعودِ رہبری کو کسی آئندہ پیدا ہونے والی شخصیت کے سپرد کیوں نہ کر دیا گیا؟ کہ یوم ظہور کی اچھائیاں اسے مضبوط بناتیں اور میدانِ عمل میں کود پڑتا نیز اس قدر طویل غیبت کا جواز اور فائدہ کیا ہے؟

یہ سوال اٹھانے والے بہت سے لوگ اس کا غیبی جواب نہیں سننا چاہتے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ بارہ آئمہ علیہم السلام ایسے درنایاب ہیں کہ جن کا بدل محال و ناممکن ہے لیکن سوال کرنے والے اشخاص اس نظریئے کی ایک اجتماعی تفسیر چاہتے ہیں اور تبدیلی لانے کے اسباب و اثرات اور یومِ موعود کے عام فہم معانی کی روشنی میں اپنے سوال کا جواب چاہتے ہیں۔

اس لئے ہم وقتی طور پر اس عقیدہ سے صرف نظر کرتے ہیں جو ہم ان آئمہ علیہم السلام کے بارے میں رکھتے ہیں اور ان شرائط سے بھی جو ان آئمہ میں ہونا ضروری سمجھتے ہیں اور اس سوال کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں۔

یقیناً ایسی تبدیلی جو "یوم موعود" کو رونما ہوگی اور جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ زندگی کے ان مفاہیم اور تجربوں کی روشنی جو کچھ ہم سمجھتے ہیں کیا ہم اس قائد و رہبر کی لمبی

عمر کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی یہ طویل عمر اک عظیم کام میں مفید ثابت ہو گی اور اس بڑی تبدیلی لانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ہم اس سوال کا جواب اور اس کی وجوہات درج ذیل ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔

بے شک یہ بڑی تبدیلی جو اس عظیم رہبر کے ذریعے عمل میں آنی ہے یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کو انجام دینے والا ایک مخصوص نفسی حالت کا مالک ہو اور یہ نفسی حالت اس میں مختلف تہذیبوں اور تمدنوں میں زندگی گزارنے سے پیدا ہو گی اور اس کو بڑی بڑی تہذیبوں کی ابتدا اور پھر ان کے زوال اور زوال کے اسباب کا علم ہو گا اور جس کے نتیجے میں وہ نفسیاتی طور پر ایک نئی تہذیب قائم کرنے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہیں کریگا۔ کیونکہ ان گذشتہ فاسد اور مہمل تہذیبوں (جن میں زندگی گزار چکا ہے) سے وہ جس قدر بیزار ہو گا اسی قدر وہ ان کی جگہ ایک نئی تہذیب کے قیام میں دلچسپی لے گا اور اس کے سابقہ مشاہدات کی روشنی میں یہ نئی تبدیلی لانے میں اس کیلئے کامیابی کے امکانات کافی روشن ہوں گے اور وہ اس تبدیلی کے عمل کی مکمل کامیابی تک مصروف رہے گا۔

اور یہ واضح ہے کہ اس مطلوبہ احساس کا حجم اور معیار اس تبدیلی کے حجم اور معیار کے مطابق ہونا چاہیے، ایک وسیع وعریض طویل اور مضبوط تہذیب کو اس رہبر نے بدلنا ہے اس لئے اس قائد اور رہبر کے نفسی شعور کا بھی مضبوط اور بھر پور ہونا ضروری ہے۔ جب ''یوم موعود'' ظلم وستم سے بھری دنیا کیلئے ایک ایسی تبدیلی کا پیغام جو ہر شعبہ زندگی میں رونما ہو گی تو ضروری ہے اس پیغام کا حاصل شعوری، احساساتی اور معلوماتی عتبار سے اس پوری دنیا سے عظیم اور قدآور انسان ہو اور ایسی نسل میں سے نہ ہو جس کی نگہداشت اسی زمانہ اور تہذیب کے زیرِ سایہ ہوئی ہو جس کی تبدیلی مقصود ہے۔ جسے عدل و انصاف اور حق کی بنیادوں پر استوار تہذیب سے بدلنا ہو کیونکہ اس کی معلومات اسی تہذیب اور ماحول تک محدود ہوں گی جس میں وہ پروان چڑھا ہو گا۔ اس کو صرف ظلم وستم

سے معمور اسی تہذیب کے بارے میں علم ہوگا جس میں اس نے آنکھ کھولی۔

اس کے برعکس وہ شخص جس نے طویل عرصہ کی زندگی میں کئی تہذیبوں کے عروج و زوال اور ابتدا و انتہا کا مشاہدہ کیا ہو۔ تاریخ بشریت میں ید طولیٰ کا مالک ہو، جو تمام حالات و واقعات کا چشم دید گواہ ہو۔ جس نے ''یوم موعود'' سے پہلے معاشرتی اقدار اور نظاموں اور ارتقا کو اس وقت سے دیکھا ہو جب وہ ایک بیج کی مثال تھا۔ پھر اس نے اس کی نشو و نما کے مراحل دیکھے ہوں اور مشاہدہ کیا ہو کہ یہ موجودہ فاسد نظام کس طرح بڑھا اور ہر مرحلہ کا پوری طرح غور وفکر سے مطالعہ کیا ہو وہ اس وسیع وعریض تہذیب کو نزدیک سے دیکھتا ہے جس سے وہ ٹکر لینا چاہتا ہے۔ اس نے حالات و واقعات کی روشنی میں تاریخ انسانیت کا مکمل مطالعہ کیا ہے اور جو کچھ پوری انسانی تاریخ میں ہے اس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی معلومات کتب کے مطالعہ پر موقوف نہیں اور ان واقعات کو تقدیرِ الٰہی سمجھتا ہو جس طرح جان جیک روسو فرانس میں قائم بادشاہت کی طرف دیکھتا ہے۔ اس سے یہ قول نقل ہوا ہے کہ

> وہ جب فرانس کو بغیر بادشاہت کے سوچتا تو اس پر ایک خوف طاری ہو جاتا۔

جبکہ وہ اس نظام کو بدلنے والے بڑے بڑے مفکرین میں سے ایک تھا۔ جس نے فلسفیانہ اور فکری طور پر اس معاشرہ کو بدلنے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ اس لئے تھا کہ وہ (روسو) بادشاہی نظام میں پیدا ہوا اور اپنی پوری زندگی بادشاہت میں گوا دی۔ لیکن یہ شخص جو پوری تاریخِ انسانی میں شامل رہا اس کے پاس تاریخ کی ہیبت وقوت اور ایک مضبوط احساس وشعور ہے کہ جو ماحول وتہذیب اس کے گرد قائم ہے۔ یہ ایام گذشتہ میں ایک دن کی پیداوار ہے۔ جب اس کے لئے اسباب پیدا ہوئے یہ قائم ہوگئی اور عنقریب جب دوسرے اسباب مہیا ہوں گے یہ زائل وختم ہو جائیگی۔ اس کا نام ونشان تک مٹ جائیگا۔ جس طرح ماضی قریب یا ماضی بعید میں اس کا نام ونشان تک نہ تھا مختلف تہذیبوں

اور نظاموں کی طویل عمریں سبھی پوری تاریخ کے اعتبار سے چند گنے چنے دنوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

آپ نے سورہ کہف پڑھی ہوگی اس میں اُن نوجوانوں کا ذکر پڑھا ہوگا جو اپنے رب پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی ہدایات میں مزید اضافہ کر دیا ان کا سامنا ایک ایسی بت پرست حکومت سے تھا جو کسی پر رحم نہیں کرتی تھی اور توحید کے خاتمے پر ہر طرح سے تلی ہوئی تھی۔ وہ شرک کی پستیوں سے نکل کر توحید کی بلندیوں پر پہنچنے والے کسی بھی شخص کو معاف نہ کرتی، پس اُن نوجوانوں کے قلوب ونفوس پر مایوسی کی دھند چھا گئی۔ امید کے تمام دروازے ان پر بند ہو گئے تو انہوں نے ایک غار میں پناہ لی اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مشکل کا حل مانگا، کیونکہ ان کے تمام حل ناکام ہو چکے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ باطل کو شائد ہمیشگی حاصل ہے اور ظلم وستم ہمیشہ کیلئے یونہی جاری رہے گا۔ حق مغلوب ہوتا رہے گا اور داعیان حق اسی طرح جور وستم کا شکار رہیں گے۔

آپ کو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا برتاؤ بھی معلوم ہوگا کہ انہیں تین سو نو سال کیلئے ایک غار میں سلا دیا گیا جس میں انہوں نے پناہ لی ہوئی تھی اور پھر اس مدت کے بعد ان کو بیدار کیا اور میدانِ زندگی میں لایا اور اس وقت وہ حکومت جو ان نوجوانوں کو انتہائی طاقت اور ناقابلِ شکست محسوس ہوتی تھی ختم ہو چکی تھی اور ریزہ ریزہ ہو کر گوشۂ گمنامی میں بھر چکی تھی، وہ ایک ایسی تاریخ کا روپ دھار چکی تھی جس سے کسی کوئی ڈر خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ نہ ہی کسی ساکن کو حرکت دے سکتی تھی اور نہ ہی کسی متحرک کو ساکن کر سکتی تھی۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ وہ نوجوان اس باطل قوت کے فنا اور اختتام ہو جانے کی حقیقت دیکھ لیں جس کا طولانی پن ان کیلئے بارِگراں تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کا انجام دیکھ لیا اور اس طرح باطل اُن کی نظروں میں حقیر وذلیل ہو گیا اور تحقیق وہ بات جو اس قدر مصیبتوں اور تکالیف کو جھیلنے اور تین سو نو سال تک حکم ربی سے سوئے رہنے کے بعد اصحاب کہف کے مشاہدے میں آئی، یہ تھی کہ جب بیدار ہوئے

تو نہ وہ جابرانہ نظام ہے نہ جابر حکومت۔ بتحقیق بالکل اسی طرح یہی بات اس قائد منتظر کیلئے بھی ہے جو اپنی اس طویل عمر میں بڑی ظالم و جابر حکومتوں کا مشاہدہ کرتا آیا ہے ان کی ابتدا و انجام سے آگاہ ہے۔ اس نے ان حکومتوں کو بنیاد سے لے کر ان کے مٹ جانے تک دیکھا ہے وہ ان تمام واقعات کا عینی شاہد ہے۔ تہذیبوں اور حکومتوں کے زوال کے اس مشاہدے سے اس کی فکر میں پختگی اور ''یوم موعود'' کی قیادت کی زیادہ سے زیادہ قابلیت و استعداد پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ قائد دوسروں کے تجربات سے مشاہدات حاصل کر چکا ہوگا اور ان کے ضعیف نکات کا بھی اسے علم ہو چکا ہوگا اب وہ ایک بڑی تبدیلی کا پروگرام بناتے ہوئے ان نکات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس تبدیلی کے عمل کو روشن کرے گا ظاہر ہے اس صورت میں اس کی کامیابی کے امکانات زیادہ روشن بلکہ سو فیصد ہوں گے۔

اس خاص شخصیت کا پروگرام ایک پیغام کو عملی جامہ پہنانا بھی ہے اور وہ پیغام ہے دین اسلام، یہ فطری اور طبعی بات ہے کہ اس کام کیلئے قائد و رہبر ایسا ہونا چاہیے جو دین اسلام کے حقیقی منبع و مرکز کے قریب ترین ہو اور اس شخصیت کی تربیت استقلال کی بنیادوں پر ہوئی ہو وہ کسی تہذیب و تمدن سے متاثر نہ ہو اور نہ ہی ایسے نظاموں کا اس پر کوئی اثر ہو جن کو اس نے ''یوم موعود'' میں بدلنا ہے۔ برخلاف اس شخص کے جو اسی تہذیب کی کوکھ سے پیدا ہوا ہو اور اس کے افکار و خیالات و احساسات اسی تہذیب میں پروان چڑھے ہوں۔ یہ طے ہے کہ ایسا شخص اس تہذیب کے اثرات سے محفوظ نہیں ہوگا اگرچہ وہ اس کے خلاف ایک بڑی تبدیلی لانے کی قیادت ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ پس وہ شخصیت جسے اس بلند سطح کی تبدیلی لانی ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی طور سے ان نظاموں سے متاثر نہ ہو جنہیں اسے بدلنا ہے نہ ہی ان تہذیبوں، معاشرے اور ماحول کا فرزند ہو، نیز ایسی شخصیت کیلئے ضروری ہے کہ ایک طرف تو وہ اس زمانے کے زیادہ نزدیک ہو جس میں اسلام کے حقیقی بانی اور مبلغ موجود تھے۔ دوسری طرف وہ ''یوم موعود'' میں جن

نظاموں اور تمدنوں کو بدلنا چاہتا ہے ان سے بالکل متاثر نہ ہو بلکہ ان نظاموں سے دور رہتے ہوئے ان کے نشیب و فراز کا بغور مطالعہ کرتا رہا ہو اور ان کے عیوب و نقائص کو دیکھتا رہا ہو اور پھر جب وہ نیا معاشرہ قائم کرنا چاہے تو وہ ایسا ہو جیسا کہ صحیح اسلامی معاشرہ ہوتا ہے جس کیلئے وہ انتظار میں ہے اور وہ اپنے سینکڑوں سالوں کے تجربہ کی روشنی میں یہ نظام قائم کرے گا۔ یہ تھا وہ اہم مقصد جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اس شخصیت کیلئے قانونِ فطرت کو بدلا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

تکمیل قیادت

تکمیل قیادت

سوال: اب ہم تیسرے سوال پر گفتگو کرتے ہیں جس میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قائدِ منتظر نے اپنے والد کی ہمراہی میں پانچ سال کا عرصہ گزارا ہے اور یہ زمانہ عہد طفلی کہلاتا ہے اور اس دور میں کسی کو بھی اس عظیم الشان قیادت کیلئے تیار کرنا محال ہے تو وہ کون سے عوامل اور حالات تھے جن کی بنا پر یہ قائد اس قدر بڑی تحریک کی قیادت کا اہل ہوا اور اس عظیم الشان قیادت کی تمام شرائط اس کی ذات میں مکمل ہو گئیں۔

جواب: حضرت مہدی علیہ السلام کو اپنے والد کی جانب سے اس کمسنی میں اپنے بعد امام نامزد کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ میں وہ تمام شرائط موجود تھیں جو کسی شخصیت میں واجب الاطاعت امام بننے کیلئے درکار ہوتی ہیں۔ آپ میں تمام روحانی اور فکری صلاحیتیں بچپن ہی سے موجود تھیں، نیز اس کمسنی میں اس عہدہ کا ملنا اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد واقعہ نہیں بلکہ آپ کے آباؤ اجداد میں پہلے بھی اس کی مثال موجود تھی حضرت امام محمد بن علی الجواد علیہ السلام آٹھ برس کی عمر میں مسند امامت پر متمکن ہوئے۔ جناب امام علی بن محمد الہادی علیہ السلام کو نو سال کی عمر میں امامت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان کے علاوہ جناب مہدی علیہ السلام کے والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ۲۲ سال کی عمر میں درجہ امامت پر فائز ہوئے۔

آپؑ اور آپؑ سے قبل آپؑ کے جد امام محمد الجوادؑ کو اس کم عمری میں اس عظیم عہدہ کا ملنا اس بات کی عملی تفسیر ہے کہ یہ منصب کم سنی میں بھی مل سکتا ہے۔ مسلمانوں کے

واسطے اس عمر میں اتنا بڑا منصب مل جانا کوئی چھوٹی بات نہیں تھی کیونکہ وہ اس کا مشاہدہ اور تجزیہ آپ سے قبل آپ کے آباؤ اجداد میں کر چکے تھے بلکہ آئمہ کے ہم عصر مسلمانوں نے آپ کے اس دعویٰ کو بلا وجہ ہی تسلیم نہیں کر لیا۔ تمام مسلمانوں کے درمیان اس قسم کا دعویٰ کرنا آسان بات نہ تھی چنانچہ جب ہمارے کسی امام نے یہ دعویٰ کیا تو پھر خود کو ہر آزمائش، امتحان اور تجربے کے لئے آمادہ رکھا اور عملی طور پر ثابت کر دیا کہ وہ تمام ہم عصر مسلمان علما ومفکرین سے ہر عمل وعلم میں برتر وافضل ہیں پس کمسنی میں اس منصب پر فائز ہونے کیلئے اس سے بڑی اور کون سی دلیل ہوسکتی ہے۔

اس مطلب کی مزید وضاحت کیلئے ہم اس مقام پر چند نکات پیش کرتے ہیں۔

﴿الف﴾ اہل بیت علیہم السلام میں سے نہ تو کسی کی امامت، حکومت وسلطنت کا مرکز تھی اور نہ ہی انہیں منصب امامت اور عوام میں اثر ورسوخ عام حکمرانوں کی طرح ورثے میں ملا تھا کہ باپ کی طرف سے عنان حکومت بیٹے کی طرف منتقل ہوئی ہو اور یہ وراثت حکومت کو مضبوط بنا رہی ہو جیسا کہ فاطمی، عباسی اور اموی خلفا میں مروج تھا۔

آئمہ علیہم السلام سے عوامی محبت وحمایت کا سبب ان کی جانب سے عوام الناس کو روحانی اور فکری غذا اور خصوصاً اہل علم کو فکری وروحانی دولت سے مالا مال کرنا تھا ان حضرات نے اپنے علم وعمل اور سیرت وکردار سے عوام الناس اور اہل علم پر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس عظیم منصب الٰہی کے حق دار ہیں اور ان کی قیادت روحانی وفکری بنیادوں پر استوار ہے۔

﴿ب﴾ یوں تو ابتدائے اسلام ہی سے صاحبانِ علم و دانش موجود تھے لیکن امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ان کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی۔ علمی وفکری تحقیق ومطالعہ کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا اور جس نظریہ ومکتب کی تدریس ان دو آئمہ نے کی وہ عام لوگوں اور اہل علم میں بہت مقبول ہو چکا تھا۔ آپؑ کی

تعلیمات کسی مخصوص عنوان یا نصاب میں محدود نہیں تھیں بلکہ آپ کا مدرسہ ہر مکتب فکر کے علما پر مشتمل تھا اور ہر شعبہ علم کے طالبان آپ کے فیض سے تشنگی اذہان بجھا رہے تھے۔ اس مدرسہ نے عالم اسلام کو نہ صرف سینکڑوں فقہا، محدثین، متکلمین اور مفسرین عطا کئے بلکہ ایک بہت بڑی تعداد میں جدید علوم کے ماہرین بھی تیار کئے جن پر آج بھی اسلام بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ یہ ماہرین کیمسٹری، فزکس، جیومیٹری، الجبرا اور دیگر ان گنت علوم پر دسترس حاصل کرتے اور انہیں عوام الناس تک پہنچانے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ اس مدرسہ کی وسعت کا اندازہ حسن بن علی الوشا کے اس بیان سے لگایئے کہ

> جب میں مسجد کوفہ میں داخل ہوا تو میں نے ایسے نو سو بزرگ دیکھے جو سب کے سب یہ فرما رہے تھے کہ ہمیں (جناب) جعفر بن محمد علیہ السلام نے بتایا ہے۔

﴿ج﴾ اس مدرسے کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس نے عوامی قیادت مہیا کرنے کا بھی ذمہ لے رکھا تھا اور اس سے متعلق افراد کا نظریہ یہ تھا کہ عوامی قیادت کا اہل وہی شخص ہے جو اپنے ہم عصر تمام علما سے فکر وعمل اور تدبر وحکمت میں برتر ہو، اور یہ تمام افراد اس نظریہ پر سختی سے کاربند تھے۔ وہ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ امام اور عوامی قائد وہ ہو سکتا ہے جو تمام لوگوں سے علم وعمل وفکر وسیاست اور اعلیٰ اوصاف میں افضل ہو۔

﴿د﴾ اور اس مکتبِ فکر سے متعلق افراد اس فکر کی بقا اور سلامتی پر حمایت میں کسی قربانی سے دریغ نہ کرتے تھے اور اس کی بنیاد پر وہ ہمعصر خلافت کے فکری اور نظریاتی طور پر خلاف تھے اور اسی وجہ سے اس خلافت کی مسند پر متمکن ان حضرات کے جانی دشمن تھے اور انہوں نے اس نعرۂ حق کو دبانے کیلئے آخری حربہ کے طور پر قتل وغارت گری سے بھی دریغ نہ کیا۔ ظلم وستم، جبر وتشدد اور قتل گری کا بازار گرم کیا گیا۔ اس مکتبِ فکر کی حمایت کے جرم میں لوگوں کو زندانوں میں ڈالا گیا۔ اس اعتبار سے عوام کو آئمہ طاہرین سے محبت کا بہت بڑا معاوضہ دینا پڑا۔ لیکن یہ حقیقت باعث تعجب ہے کہ ان تمام

استبدادی کاروائیوں کے باوجود محبان آل محمد علیہم السلام نے تمام قربانیاں دیں مگر دامن آل محمد علیہم السلام سے دستبرداری گوارا نہ کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ دکھ اور اذیتیں عارضی ہیں۔ درحقیقت یہی راہِ نجات ہے۔

سو وہ ہر لالچ سے بالا تر ہو کر محاذ حق پر ڈٹے رہے اور اہل بیت علیہم السلام پر پروانہ وار قربان ہوتے رہے اور ان کے اس عمل کی اساس یہ عقیدہ تھا کہ قربِ الٰہی کا ذریعہ محبت آل محمد علیہم السلام ہے۔

﴿ح﴾ عوامی اطاعت کی محور و مرکز یہ ہستیاں بھی ہرگز عوام سے الگ نہ تھیں اور نہ ہی دنیاوی حکمرانوں کی طرح قصر عالیشان میں رہائش پذیر، اور نہ ہی بلند و بالا شاہی تختوں پر براجمان تھیں۔ آئمہ علیہم السلام اپنے محبان سے نہ ہی دوری اختیار کرتے تھے اور نہ ہی منظر عام سے غائب ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ حکمران انہیں شہر بدر کر دیتے تھے یا جیل میں قید کر کے عوام الناس کی نگاہوں سے اوجھل کرتے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں راویوں اور محدثین کی روایات اور خود آئمہ علیہم السلام کے مکاتیب و مراسلات سے مل سکتا ہے۔ آئمہ علیہم السلام کو علوم الٰہی سے فیض یاب کرنے کیلئے گرد و نواح میں سفر بھی کرتے اور دوسرے شہروں اور بستیوں میں اپنے وکلا بھی روانہ فرماتے تھے۔ شیعوں کو بھی آئمہ سے اس درجہ محبت و عقیدت تھی کہ وہ مزارات مقدسہ کی زیارت یا حج پر جاتے تو تلاش و جستجو سے آئمہ علیہم السلام کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ یہ تمام واقعات و حالات آئمہ علیہم الطاہرین اور ان کے محبین و ارادتمندوں کے درمیان قائم مضبوط تعلق اور امامیہ مکتب فکر سے عوام کی گہری وابستگی کے واضح و روشن دلائل ہیں۔

﴿د﴾ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی ہم عصر خلافت کو ان نظریات و تعلیمات کی روشنی میں اپنا تخت ڈولتا دیکھائی دیتا اور وہ سمجھتے کہ ان نظریات و عقائد کی ترویج ان کی سلطنت و حکومت کیلئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ چنانچہ وہ حکومتیں محض اپنے تاج و

تخت کے تحفظ کے لئے اس حقیقی قیادت کے خاتمے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتیں اور ہر قسم کا منفی حربہ استعمال کرتیں جب وہ علمی وعملی یا کسی دوسرے ذریعے سے ان کی عوامی مقبولیت پہ کوئی زد نہ پہنچا سکتیں تو جبر وتشدد اور قتل و غارت گری کی راہ اختیار کرتے۔ دین حق کو مٹانے کیلئے آئمہ علیہم السلام کو زندانوں میں ہر ظلم وستم کا نشانا بنایا جاتا اور عوام کے ساتھ ان کے رابطے اور تعلق کو منقطع کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جاتی، لیکن حکومت کی ان تمام کوششوں کا عوام پر ردِعمل ان کی توقعات سے برعکس ہوتا اور عوام میں حکومت کے خلاف نفرت وغصہ میں مزید اضافہ ہوتا اور یہ حکومتی جبر واستبداد آخر کار آئمہ علیہم السلام کو شہادت تک پہنچا دیتے اور عوام تڑپ اٹھتے۔

اگر ہم واضح اور محکم حقائق پر مشتمل ان چھ نکات کا مطالعہ کریں کہ جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تو ہم اس سچ کو پا سکتے ہیں کہ کمسنی میں درجہ امامت پر فائز ہونا کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ یہ ایک واضح اور روشن حقیقت ہے کہ امام وقت پوری آب و تاب اور اعلان کے ساتھ دعویٰ فرماتے تھے۔عوام کی ایک کثیر تعداد میں ان کی حمایت اور ان پر جانیں نثار کرنے کو آمادہ ہوتی تھی۔ امام وقت کے لئے ضروری تھا کہ وہ تمام عالم میں علم ومعرفت، تقویٰ وشجاعت اور فکری وسعت میں سب سے بلند تر ہو، فقہی مسائل وتفسیر اور عقائد پر بھر پور دسترس رکھتا ہو، اگر ان میں یہ خوبیاں نہ ہوتیں تو وہ اس قدر نامساعد حالات میں عوام کو اس طرح قائل کرنے میں کامیاب نہ ہوتے کہ کوئی سختی انہیں تعلیمات آئمہ سے ہٹا نہ سکتی۔ معاذ اللہ اگر ان کی شخصیت میں کوئی خامی ہوتی تو دشمن اُسے اچھال کر رسوا کرسکتا تھا اور اُسے ان کی شخصیت مسخ کرنے کے لئے استعمال کر سکتا تھا۔لیکن حکمران طبقہ تمام تر کوششوں کے باوجود ان کے علم وفضل میں کوئی کمی اور ان کی شخصیت میں کوئی ضعف تلاش نہ کرسکا۔ اس مقصد کے لئے حکمران طبقہ مختلف مکاتیبِ فکر، جن میں یہود ونصاریٰ بھی شامل تھے کے بڑے بڑے جید علما سے ان کے مناظروں کا اہتمام کرتا مگر ہمیشہ ہر مدمقابل کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان تمام حربوں کے بعد یہ

جابر حکمران طبقہ ظلم وتشدد پر اتر آیا۔ آئمہ علیہم السلام کو قید اور شہید کرنا شروع کر دیا۔

کیا آپ اس امکان کا تصور بھی کر سکتے ہیں کہ ایک پانچ سال کا معصوم بچہ تمام علما و مفکرین کے روبرو دعویٰ امامت کرے اور نتیجتاً لوگوں کی ایک غیر معمولی تعداد اس پر ایمان بھی لے آئے اور نہ صرف یہ کہ ایمان لے آئے بلکہ ان کی خاطر جانوں کے نذرانے بھی دے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ تمام عمل اور ان کی محبت بغیر جستجو، تجربے اور فکر کے ہوگی، فرض کریں عوام میں ایسا شعور نہ بھی ہو لیکن حکمران طبقہ کیوں ان میں کوئی خامی یا کمزوری تلاش نہ کر سکا، اور نتیجے میں ان پر ظلم وستم کا سلسلہ شروع کر دیا یہاں تک کہ حکمران طبقہ کو ان سے کوئی خطرہ بھی نہ ہوتا تب بھی ان پر ظلم و ستم کیا جاتا تھا۔ اگر اس طبقہ کو آئمہ علیہم السلام کی جانب سے کوئی خطرہ درپیش تھا وہ ان کی شخصیت کی کسی خامی یا کمزوری کو اچھال کر انہیں لوگوں میں غیر مقبول بنا کر دور کیا جا سکتا تھا مگر وہ کسی ایسی کمزوری یا نقص کی تلاش میں ناکام ہوئے اور معصومینؑ کی جان کے درپے ہوئے جس کی وجہ سے اس بچے کی عوامی مقبولیت اور اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔ فرض کریں کہ اس وقت حکمران ٹولہ بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا لیکن یہ دعویٰ چند سالوں کا نہیں بلکہ کئی آئمہ نے اس دعویٰ کا اعادہ کیا اور اگر یہ حقیقت پر مبنی تھا اور کسی منصوبہ کے تحت ہوتا تو بعد میں آنے والی نسلوں میں اس کا پول کھل جاتا لیکن آئمہ کے کسی بھی قول و فعل کی تردید مہیا نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے تمام مکاتیبِ فکر کے لوگ تسلیم کرتے تھے۔

یہ تمام واقعات دلالت کرتے ہیں کہ کمسنی میں اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہونا حقیقت ہے اور ہمارے آئمہ علیہم السلام کے سلسلے میں واقعی ایسا ہوا ہے یہ ہرگز کوئی مفروضہ نہیں اس کا ثبوت انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی و واقعات سے بھی ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مثال پیش کی جا سکتی ہے جو کمسنی میں عہدۂ نبوت پر فائز ہو گئے تھے۔ قرآن مجید کی سورۃ مریم آیت نمبر ۱۲

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾

اے یحییٰ (ہماری) کتاب کو زور سے پکڑے رہو۔ اور ہم نے
ان کو لڑکپن میں دانائی عطا فرمائی تھی۔

چنانچہ اس ثبوت کے بعد آئمہ علیہم السلام کے لئے کم عمری میں عہدۂ امامت پر فائز ہونا کوئی نئی بات نہ تھی چنانچہ یہ اعتراض خود بخود باطل ہو جاتا ہے کہ قائد منتظر اس کمسنی میں کس طرح اس قدر بڑے منصب کے قابل ہوئے۔

کیسے ایمان لے آئیں،
مہدی موجود ہے

کیسے ایمان لے آئیں، مہدی موجود ہے

اب چوتھے سوال کی طرف آیئے۔ سوال یہ ہے کہ قائد کی اتنی طویل عمر اور بچپنے میں امامت پر فائز ہونے کی اہلیت رکھنے کو اگر مان بھی لیا جائے تو یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ مہدی علیہ السلام اس وقت بھی موجود ہیں۔

> لیکن یہ امکان کیسے ہے کہ وہ موجود بھی ہیں۔ پس ہم کس طرح ان کی موجودگی پر ایمان لا سکتے ہیں۔ کتابوں میں مذکور فقط چند روایات و احادیث کس طرح سے اس اہم اور معروف مسئلہ کیلئے دلیل ہوسکتی ہیں؟ ہمارے لئے کس طرح ممکن ہے کہ ہم تاریخی اعتبار سے مہدی علیہ السلام کی موجودگی کو ثابت کر سکتے ہیں اور اس حوالے سے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کریں کہ یہ کوئی فرضی نظریہ ہرگز نہیں، یہی سوالات ہیں جو اس قائد منتظر کے وجود کے لئے ہر باشعور ذہن میں اُبھرتے ہیں۔

ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عموماً اور اقوال و روایات میں آئمہ اہل بیتؑ میں خصوصاً نظریہ مہدویت کا ذکر اس حوالے سے کیا گیا ہے کہ وہ ایک ایسا قائد ہے کہ ایک عالم کو بدلنے کے لئے جس کا انتظار ہے اور اس ضمن میں اتنی کثیر تعداد میں روایات موجود ہیں کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہمارے اہلِ سنت بھائیوں کے مطابق اس مسئلے سے متعلق مختلف واسطوں سے وارد ہونے والی

احادیث چار سو کے لگ بھگ [۱] ہیں اور سنی وشیعہ دونوں ذرائع سے وارد وہونے والی روایات کی تعداد چھ ہزار [۲] سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ یہ اہل اسلام کے مسائل کے ضمن میں اس قدر بڑی تعداد میں روایات کی کوئی دوسری نظیر نہیں۔

نظریہ مہدویت کی عملی تفسیر یہی بارہویں امام ہیں اور تمام تر روایات و احادیث اسی قائد کے بارے میں ہیں۔ اس بیان کے ثبوت میں بھی ہمارے پاس ڈھیروں دلائل ہیں۔ جن کا خلاصہ ہم مندرجہ ذیل دو دلیلوں میں بیان کرتے ہیں۔

《۱》 اسلامی دلیل سے قائد منتظر کے وجود کا اثبات

《۲》 علمی اور منطقی دلیل سے اس نظریہ کی حقانیت کا اثبات اور تاریخی تجربہ کی روشنی میں قائد منتظر کے وجود کے ثبوت۔

بہر حال اسلامی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی اس سلسلہ میں وارد ہونے والی سینکڑوں روایات پر مشتمل ہے اور یہ روایات مہدیؑ کو ایک شخصیت میں متشکل کرتی ہیں جو اولادِ فاطمہؑ یعنی ذرّیت حسینؑ میں سے نواں ہے اور تحقیق خلفائے بارہ میں پس تحقیق یہ روایات اس عمومی نظریہ کو معین اور محدود کرتی ہیں کہ وہ اہل بیتؑ میں سے بارہویں امام ہیں۔ باوجود آئمہ طاہرینؑ کے محتاط رویے کے جو آپ دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے عامۃ الناس میں اختیار کرتے تھے۔ آپ کے ضمن میں روایات کی ایک کثیر تعداد موجود ہے اور فقط اِن باتوں کی کثرت ہی ان کی قبولیت کا سبب نہیں بلکہ اس کثرت کے ساتھ ساتھ ایسے قرائن و آثار بھی موجود ہیں جو ان کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بارہ آئمہ، خلفا یا امرا کے ہونے کے سلسلے میں وارد ہونے والی احادیث جو مختلف سنی اور شیعہ کی مشہور کتابوں میں موجود ہیں ان کی تعداد ۲۷۰ بنتی ہے۔ ان مشہور کتابوں میں بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد، مستدرک

---

[۱] ملاحظہ ہوں کتاب المہدی

[۲] منتخب الاثر فی الامام الثانی عشر

الحاکم شامل ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بخاری امام جوادؑ، امام ہادیؑ اور امام عسکریؑ کا ہم عصر ہیں۔ جبکہ ابھی بارہ کی تعداد مکمل نہیں ہوئی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس زمانہ سے نقل ہوتی چلی آئی ہے جبکہ ابھی آئمہ کی تعداد مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ احادیث نہ تو امامیہ مکتبِ فکر سے متاثر ہو کر نقل کی گئیں ہیں اور نہ ہی اس مخصوص نظریہ کا عکس العمل ہیں، کیونکہ جو غلط احادیث، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کی جاتی ہیں یہ عموماً حضور کے بعد کے زمانے کی ہیں اور ان میں نقل کردہ واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے بعد ان روایات کے ذریعے انہیں حضور سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ جن کتابوں میں ایسی احادیث نقل ہوئی ہیں وہ اس واقعہ کے ہونے کے بعد وجود میں آئیں۔ پس یہ ایک واضح دلیل ہے کہ یہ روایات خود ساختہ نہیں اور نہ ہی ان کے راوی فرقہ امامیہ سے متعلق ہیں۔ جنہوں نے اپنے نظریہ کو سچ ثابت کرنے کے لئے ایسی روایات بنائی ہوں، بلکہ ان روایات کی نقل تاریخی حوالوں سے اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ نظریہ امامیہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا سرچشمہ خود رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والا صفات ہے۔

علمی اور منطقی دلیل اس تجربہ سے تشکیل پاتی ہے جس سے غیبت صغریٰ کے ستر سالہ دور میں لوگ گزرے اس کی وضاحت کے لئے ہم مختصراً غیبت صغریٰ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

غیبت صغریٰ اس قائد منتظر کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ مشیت ایزدی یہ تھی کہ یہ قائد امامت کا عہدہ سنبھالتے ہی عمومی میدان سے غیبت اختیار کریں اور اپنے وجود کے حوالے سے تمام رونما ہونے والے واقعات سے دور رہیں، اگرچہ ذہن و دل کے وسیلے سے وہ ان سے نزدیک ہیں یقیناً اس غیبت میں یہ لحاظ رکھا گیا تھا کہ یہ اچانک لوگوں پر رونما ہو۔ کیونکہ لوگ ہر زمانے میں زندہ امام کے ساتھ براہِ راست تعلق و اتصال اور مسائل کے لئے رجوع کرنے کے عادی ہو چکے تھے پس اگر یہ امام ناگاہ اپنے شیعوں

سے غائب ہو جاتا تو انہیں یہ گمان گزرتا کہ فکری و روحانی قیادت ان سے ناطہ توڑ چکی ہے اور یہ اچانک غیبت ان میں خوفناک اور ناگہانی مصیبت کا سبب بنتی جو پورے معاشرے کو توڑ پھوڑ کے رکھ دیتی اور غیبت افتراق میں بدل جاتی۔ پس اس غیبت کی تمہید کے طور پر ایک مختصر غیبت ضروری تھی تا کہ لوگ غیبت کے عمل سے مانوس ہو جائیں اور آہستہ آہستہ اس کے عادی ہو جائیں اور یہی تمہید غیبت صغریٰ تھی جس میں امام نے عمومی میدان سے تو غیبت اختیار کی مگر اپنے خواص کے ذریعے تمام شیعوں سے دائمی اتصال برقرار رکھا۔ آپ کے یہ مخصوص با اعتماد اصحاب آپؑ اور مومنین کے درمیان رابطے اور واسطے کا کام دیتے رہے۔ اس عرصہ میں چار متقی، پارسا اور نیک افراد نے حکمِ امامؑ کے تحت آپ کی نیابت کا فریضہ سرانجام دیا ہے ان کے اسمائے گرامی ہیں۔

﴿۱﴾ عثمان بن سعید العمری

﴿۲﴾ محمد بن عثمان بن سعید العمری

﴿۳﴾ ابوالقاسم الحسین بن روح

﴿۴﴾ ابوالحسن علی بن محمد السمر ی

انہی چار افراد نے مذکورہ ترتیب کے مطابق بحکم امام یکے بعد دیگرے دورانِ غیبت صغریٰ اہم فرائض انجام دیئے۔ یہ نائبین شیعوں سے ان کے سوالات وصول کرتے اور انہیں بارگاہِ امامت میں پیش کرتے، امام سے کبھی تحریری اور کبھی زبانی جوابات لے کر شیعوں تک پہنچاتے اور دیدارِ امام سے محروم لوگوں کے لئے یہی بالواسطہ اطمینان کا سبب بنتے اور یہ سلسلہ تمام عرصہ غیبت میں جاری رہا جس کی مدت ستر سال ہے جن میں یہ چار نائبین گزرے اور آخری نائب السمر ی نے غیبت صغریٰ کے اختتام کا اعلان کیا اور بتایا کہ اب غیبت کبریٰ شروع ہوگی، جس میں کوئی معین ومخصوص نائب امام نہیں ہوگا۔ غیبت صغریٰ سے غیبت کبریٰ کی طرف یہ تحول وتبدل غیبت صغریٰ کے مقاصد حاصل ہونے کے بعد عمل میں لایا گیا۔ کیونکہ اس طرح شیعوں کو ناگاہ صدمے سے بچا لیا گیا اور بتدریج

انہیں عمومی نیابت سے رجوع کرنے کے لئے تیار کرلیا گیا اور اسی طرح امامؑ کی مخصوص نیابت کا نظریہ عمومی نیابت کے نظریئے میں بدل گیا، یعنی عادل و بصیر جو دینی و دنیائی معاملات میں بصیرت رکھنے والا مجتہد اب نیابت امام کا حامل ہوگیا اور یہی غیبتِ صغریٰ کو غیبت کبریٰ میں بدلنے کا نتیجہ رہا۔

اس روشنی میں آپ کے لئے ممکن ہے کہ وضاحت کے ساتھ اس بات کا ادراک کرسکیں کہ وجودِ مہدیؑ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے ساتھ افراد کے ایک گروہ نے ستر سال بسر کئے اور اس عرصہ میں سفرا اور مخصوص نائبین کے ذریعہ سے اس امامؑ کا لوگوں سے تعلق و رابطہ قائم رہا اور اس ستر سال کی مدت میں ان نائبین کے بیانات و کلام پر کسی نے شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی ان کی بات کو جھوٹ پر محمول کیا گیا۔ آپ کو پروردگار کی قسم کوئی ایسی مثال لایئے کہ پورے ستر برس چار معین اشخاص ایک فرضی بات کو دہراتے رہیں یا ایسی شخصیت کی نیابت کے دعویدار ہوں۔

وجود ایک مفروضہ ہو اور کسی نے ان پر اشکال کرنے کی جرأت نہ کی ہو۔ سب کا ایک ہی بات پر اتفاق رہا ہو اور اس نظریہ کی بنیاد پر لوگوں میں آمدورفت اور تعلق رہا ہو۔ وہ لوگوں میں رہتے رہے اور امامؑ کا خود دیدار کرتے رہے اور ان کے احکامات لوگوں تک پہنچاتے رہے ہوں، ان سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو ان کے موقف میں سقم کا موجب بنے اور نہ ہی ان کے درمیان ایسا کوئی سابقہ رابطہ اور تعلق رہا ہو کہ جس سے یہ احتمال ہو کہ انہوں نے مل بیٹھ کر باہمی منصوبے سے اس نظریہ کو خود وضع کیا ہو اور پھر اس دعویٰ پر وہ تمام لوگوں کا اعتماد بھی حاصل کرلیں اور لوگ ان کی روایت کردہ باتوں پر ایمان بھی لے آئیں۔ ایک مشہور "مثل ہے کہ جھوٹ کی عمر کم ہوتی ہے" اور زندگی کی منطق بھی اس بات کو محال تصور کرتی ہے کہ ایک مفروضہ اتنی کم ہوتی ہے اور زندگی کی منطق بھی اس بات کو محال تصور کرتی ہے کہ ایک مفروضہ اتنی مدت تک لوگوں میں باقی رہے اور لوگ اس کے جھوٹ کا اندازہ نہ کرسکیں۔ عوام اور امام کے درمیان روابط و

تعلقات کے ساتھ ساتھ اس نظریہ کا اعتماد بھی بحال رہے۔

اس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ غیبت صغریٰ کا زمانہ ایک علمی و منطقی تجربہ تھا اور ایک تمہید تھی۔ امام منتظر کی ولادت، حیات، غیبت اور اس کی جانب سے غیبت کبریٰ کے اعلان کو تسلیم کروانے کے لئے وہ غیبت کبریٰ جس میں آپ نے لوگوں میں ظاہر نہیں ہونا تھا اور ایک معینہ مدت تک پردہ غیبت میں تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

قائد ظاہر کیوں نہیں ہوتا

قائد ظاہر کیوں نہیں ہوتا

پھر اس قدر طویل مدت کے بعد قائد کا ظہور کیوں نہیں ہوا؟ اگر اس نے خود کو اجتماعی کام کے لئے تیار کیا ہے تو پھر وہ غیبتِ صغریٰ کے بعد ایک طویل غیبت اختیار کرنے کے بجائے ظاہر کیوں نہیں ہوا؟ کیونکہ اس وقت معاشرتی تبدیلیاں سہل و آسان تھیں اور غیبت صغریٰ کے دوران وہ اپنے روابط و تعلقات سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کو متحد و مجتمع کرنے کے بعد ابتدا ہی سے مضبوط بنیادوں پر اپنا کام شروع کر سکتا تھا۔ اس وقت اس کے گرد و نواح کی حکومتیں اس قدر قوی اور طاقت ور نہ تھیں جتنی صنعتی و سائنسی انقلاب کے بعد اس دور کے بعد ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نوع کی اجتماعی و معاشرتی تبدیلی کی کامیابی بعض شرائط اور حالات سے مربوط ہوتی ہے جن کی عدم موجودگی میں مطلوبہ تبدیلی لانے میں کامیابی ممکن نہیں ہوتی۔

ربِ سما کی طرف سے زمین پر جو اجتماعی تغیرات و تبدل لائے جاتے ہیں وہ اس اعتبار سے امتیازی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نوعیت میں خارجی ماحول کے ساتھ مرتبط اور متعلق نہیں ہوتے کیونکہ اس مقام پر جو قانون تغیر و تبدل کا سہارا لیتا ہے وہ ربِ سما کی طرف سے وضع کردہ ہوتا ہے۔ خارجی ماحول و حالات کی پیداوار نہیں ہوتا لیکن یہ تغیرات بھی نفاذ کے مرحلہ میں خارجی حالات پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کی کامیابی اور نفاذ کا وقت ان حالات سے مرتبط ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی خدا نے زمانہ جاہلیت کی پانچ صدیاں انتظار کرنے کے بعد اپنا آخری پیغام ختم مرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے بھجوایا کیونکہ اس پیغام کا نفاذ مخصوص حالات پر موقوف تھا لہٰذا ان حالات کی پیدائش کا انتظار کیا گیا ورنہ دنیا کو اس سے بہت پہلے اس کی ضرورت تھی۔

وہ خارجی حالات جو مخصوص معاشرتی تبدیلی کے عمل کے لئے کلیدی حیثیت

رکھتے ہیں ان میں سے ایک لازمی عنصر رضا اور ماحول کی اس تبدیلی کے لئے آمادگی ہے اور اس تبدیلی کے مقاصد کے موافق حالات کی موجودگی ہے۔ ایسی تفاصیل کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو عمل تغیر کی مختلف منازل پر جن کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً روس میں لینن کی کامیابی ایک طرف پہلی جنگ عظیم چھڑنے کے ساتھ مرتبط تھی اور دوسری طرف بادشاہت کا ظلم و ستم اور لوگوں کی اس سے نفرت کے ساتھ اور یہی وہ حالات ہیں جو کسی قسم کی تبدیلی لانے کے لئے ماحول سازگار بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ تحریک بعض جزئیاتی اسباب سے مرتبط تھی جو انتہائی محدود تھے۔ مثلاً روس کے دورہ میں لینن کی سلامتی اور اس کا انقلاب کی قیادت کرنا کیونکہ اگر اس دوران اسے کوئی حادثہ پیش آجاتا، تو یہ انقلاب اس قدر جلد رونما نہ ہوتا۔

اور تحقیق اللہ تعالیٰ کا طریق کار اور سنت بھی یہی ہے جس میں کسی نوعیت کا تغیر و تبدل ممکن نہیں کہ ایسی تبدیلیوں کو نافذ کرنے کا عمل مناسب ماحول اور حالات کا تغافل ہے جن میں اس تبدیلی کو عملی جامہ پہنایا جائے تا کہ یہ تبدیلی کا عمل پوری طرح کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام چند رسولوں کے نزول کے بعد آیا اور اس درمیان ایک طویل اور بڑا تلخ خلا موجود ہے۔ جس کی طوالت صدیوں پر محیط رہی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کا درمیانی عرصہ۔ یہ تمام تر انتظار مناسب ماحول اور سازگار حالات کے لئے ہی تھا۔

باوجودیکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ ان تمام مشکلات کو آسان کرے، رکاوٹیں ہٹا دے، ماحول اور حالات کو عملی تغیر کے لئے سازگار بنالے اور یہ سب کچھ معجزے سے کرے لیکن ارادۂ خداوندی اور مشیت ایزدی نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ امتحان، آزمائش اور تکالیف جو انسان کو کامل بناتی ہیں، ان کا تقاضا ہوتا ہے کہ عمل تغیر خارجی و طبعی عوامل کے مطابق ہو لیکن وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، جب تغیر ربانی کے لئے ماحول سازگار نہیں ہوتا اور قدرت الٰہی خود متوجہ ہو کر معجزہ کے ذریعے ایک تبدیلی رونما کر دیتی ہے۔ انہی

مخصوص مواقع سے وہ امدادات و تائیدات بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے بندگان خاص کوسخت حالات میں ان کی جان کے تحفظ کے لئے حاصل ہوتی ہیں۔نمرود کی آگ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈا ہوجانا، نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ آور یہودی کا ہاتھ شل ہوجانا، جنگ احزاب میں تند و تیز آندھی وطوفان کا آنا اور مدینے کا محاصرہ کرنے والے کفار کے قیام کا اکھڑ جانا اس کی مثالیں ہیں لیکن اگر عمومی حالات تغیر ربانی کے لئے سازگار ہو چکے ہوں تو اس قسم کی عنایات ربانی تفاصیل کے ضمن میں آتی ہیں۔

اب اسی روشنی میں اہم امامِ مہدیؑ کے موقف اور مرکزیت کا مطالعہ کرتے ہیں جو تبدیلی کا عمل ان کے ذمہ ہے وہ بھی دیگر اعمال کی طرح مخصوص حالات کا متقاضی ہے جو اس کے مقاصد کے ساتھ مرتبط ہوں اور اسی وجہ سے یہ طبعی امر ہے کہ ان مخصوص حالات کی پیدائش تک ان کا انتظار کیا جائے ہمیں یہ بھی علم ہے کہ مہدیؑ سے مخصوص انقلاب کسی خاص طبقہ، علاقہ یا گروہ تک محدود نہیں بلکہ آپؑ کا پیغام اور اس کا نفاذ ایک عالمگیر اور آفاقی حیثیت رکھتا ہے۔آپؑ تمام کائنات کے لئے امن وسلامتی اور خوشحالی کے پیامبر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس پیغام کے لئے آپ کو مخصوص و نامزد کیا ہے اس کا مقصد پوری عالمی معاشرت میں تبدیلی لانا،ظلم واستحصال کا خاتمہ اسے جہالت کی تاریکیوں سے نکالنا اور عدل و انصاف، مساوات وامن اور علم کی روشنی میں اجتماعی سکھ وسلامتی کے لئے معاشرے کا قیام عمل میں لانا ہے۔ یہ ایک بہت وسیع و جامع تبدیلی کا عمل ہے اور اس کے لئے شرط صرف پیغام کا نازل ہوجانا اور قائد کا صالح ہونا نہیں۔ ورنہ یہ شرائط تو رسالت آمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی موجود تھیں۔ پیغام آچکا تھا اور محائد اپنی کامل واکمل قابلیت کے ساتھ دنیا میں موجود تھا لیکن درحقیقت اس قدر بڑی عالمی تبدیلی ایک خاص ماحول اور حالات کی متقاضی ہے جس کو خارجی واقعات ترتیب دیں گے۔

بشری اعتبار سے انسانی معاشرہ کا یہ احساس اس عمل تبدل کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے کہ فضا عدل وانصاف کے پیغام نو کے لئے ہموار ہے اور یہ عمل تجربے

کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان یہ دیکھے گا کہ اس کی گمشدہ حکمت ان قوانین سے حاصل نہیں ہورہی، بدامنی میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے، غارتگری عام ہوتی جارہی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ایک غیبی طاقت کی طرف سے متوجہ ہوگا یا ایک مجہول ذات کی آمد کا منتظر ہوگا اور ذہنی وفکری طور پر نئی تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جدید مادی زندگی مادی اعتبار سے پوری دنیا میں اس پیغام کو پہنچانے میں مساعد و مددگار رہے۔ کیونکہ قدیم زمانے اور خصوصاً غیبت صغریٰ کے زمانے کی نسبت انسان مادی اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اقوامِ عالم میں رابطہ آسان سے آسان تر ہوتا جارہا ہے اور عالمی بیداری اور افکار انسان کو عدل و مساوات کے نفاذ کرنے کے لئے تیار کرنے کے لئے بہت عمدہ اور موثر وسائل مہیا ہیں اور ان کے استعمال سے اس عالمگیر تبدیلی کے لئے ممدومعاون حالات پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

اور مہدی موعودؑ کے ظہور میں دیر سے حربی قوت و ساز و سامان میں جدید تبدیلیوں کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے یہ درست بات ہے، لیکن اس مادی قوت میں روز افزوں اضافے سے کیا فائدہ جبکہ انسانی روح کمزوری، ناکامی اور محرومی کا شکار ہو، تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ بہت بڑی تہذیب اپنی تمام تر قوت کے باوجود جنگ کے ابتدائی مرحلے ہی میں شکست سے دو چار ہوگئی کیونکہ وہ اندرونی طور پر کھوکھلی ہوچکی تھی۔ اعتماد کھو بیٹھی تھی اور اپنے وسائل پر عدم قناعت اور خارجی حالات سے عدم اطمینان کی لپیٹ میں آچکی تھی یعنی بہرحال یہ مادی قوت روحانی قوت کے بغیر بے سود و بے کار ہے (اسکی زندہ مثال ایران کے ہاتھوں امریکہ کی عملی شکست ہے)

اس قدر وسیع و عالمگیر کام اور تنہا مہدیؑ

اور اب گفتگو ہو گی سوالات کے اس سلسلہ کے چھٹے سوال پر کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اس قدر بڑا کام اور ایک ہی فرد (خواہ وہ کس قدر شان اور اہلیت کا حامل کیوں نہ ہو) کے ذمے ہو؟ کیا یہ فرد واحد وہی انسان نہیں جسے حالات و اسباب اس تبدیلی کی تحریک کے لئے منتخب کریں گے؟

یہ سوال تاریخ سے متعلق ایک مخصوص نظریئے کی پیداوار ہے جس کے مطابق کسی ماحول یا حالات میں تبدیلی کے عمل میں انسان کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے تبدیلی کا اصل محرک اور موجب حالات و ماحول ہوتے ہیں۔

ایسا نہیں کہ اس انسان کو خود بھی کوئی اساسی کردار ہو۔
اور ہم اپنی دیگر کتب میں مختلف مقامات پر واضح کر چکے ہیں
کہ تاریخ کے دو محور ہوتے ہیں۔

﴿۱﴾ انسان

﴿۲﴾ وہ مادی وسائل جو انسان کو میسّر ہیں یا اس سے متعلق مادی حالات۔

جس طرح مادی وسائل فطرت انسانی میں اپنا اثر رکھتے ہیں اسی طرح خود انسان بھی حالات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس مفروضہ کا کوئی جواز نہیں کہ کوئی اہم عمل مادے سے شروع ہو کر انسان پر اختتام پذیر ہو، کیونکہ اس مفروضے کے حق میں جس قدر جواز ہے اسی قدر جواز انہیں زائل کرنے کو بھی ہیں۔ پس انسان اور مادہ وقت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے متاثر ہوئے ہیں اور نظریاتی اعتبار سے انسان کا کردار تاریخ سازی میں کسی سدھائے ہوئے طوطے کی مانند نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ اور واضح اثر مرتب کرنے والا ہے۔

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو تاریخ نبوت سے ثابت ہوتی ہے اور خصوصاً

تاریخ نبوت کے آخری باب میں زیادہ اجاگر اور روشن نظر آتی ہے کیونکہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ربط و تعلق قوت سماوی سے تھا۔ اس لئے آپ نے عنانِ تاریخ اپنے ہاتھ میں لے لی اور ایک تہذیب کی بنیاد ڈالی جو اس دور کے حالات کی بنا پر اِک ناممکن بات تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقصد میں کامیاب ہوئے جیسا کہ ہم اس بات کی وضاحت الفتاوی الواضحہ کے مقدمہ نمبر ۲ میں ہے

اور جو امر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حد امکان میں تھا وہ اس قائد منتظر کے امکان میں بھی ہے اور وہ فرد واحد ہونے کے باوجود اس بڑی تبدیلی کو لا سکتا ہے اور ایک نئی تاریخ کی بنیاد ڈال سکتا ہے۔ حالات و ماحول اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے کیونکہ یہ انسان حالات کی پیداوار نہیں ہوگا۔

یومِ موعود اور عملِ تغیّر کا طریقہ کار

اب رہا آخری سوال جس میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا کہ قائد منتظر کون سے راستے کو اختیار کر کے اس قدر بڑی تبدیلی لانے میں کامیاب ہوں گے۔

اس سوال کے جواب کا تعلق ظہور امامؑ کے زمانے کے حالات سے ہے اور ان حالات و ماحول کے مشاہدے کے بعد ہی بتایا جا سکتا ہے کہ مہدیؑ کس طور سے تبدیلی کے عمل کو شروع کریں گے۔ لہٰذا جب تک ہم اس وقت سے لاعلم ہیں اور اس کے حالات کے متعلق خبر نہیں رکھتے۔ یوم موعود میں ہونے والے عمل کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کر سکتے۔ اگرچہ انسانی ذہن میں جنم لینے والے مفروضات و خیالات پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن ان کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہیں۔

اس سلسلے میں ''یوم موعود'' کے بارے احادیث اور بڑی بڑی تاریخی تبدیلیوں کے موثر محرکات کی روشنی میں ایک بنیادی مفروضہ قابلِ قبول ہوسکتا ہے۔

اس مفروضے کے مطابق مہدیؑ ایک بہت بڑے خلا کے بعد میدان عمل میں آتے ہیں۔ اس خلا میں ذلت وتباہی کی سیاست اور گھٹیا قِسم کی تہذیبیں جنم لیں گی اور یہ خلا ایک نئے پیغام کے داعی ہونے کے اسباب مہیا کرے گا۔ یہ ذلیل و رسوا طرزِ سیاست نفسیاتی طور پر ایک ایسا ماحول پیدا کر دے گی جو اس نئے پیغام کی قبولیت کا سبب ہوگا۔ اور یہ ذلت و رسوائی تاریخِ انسانیت میں اچانک رونما ہونے والا حادثہ نہیں بلکہ یہ انسانیت کا خداوند تعالیٰ سے تعلق منقطع ہونے کے سبب ہونے والے تنازعات و تضادات

کا نتیجہ ہے اور اس کے خاتمے کے لئے کوئی دوسرا حل نہیں پس جنگ کی آگ بڑھے گی جو ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے کر فنا کر دے گی۔ پس اس مقام پر نورِ الٰہی کا ظہور ہوگا اور اس آگ کو ٹھنڈا کر دے گا اور زمین پر عدل آسمانی قائم کرے گا۔

اختتامیہ

میں اس مختصر کتابچہ کو بصد مسرت ختم کر رہا ہوں اور خدائے لم یزل سے دعا گو ہوں کہ اسے میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب فرمائے اور اسے اپنی راہ پر چلنے والے کے لئے ایسے روشن مینار کی مانند بنائے کہ جو اہل اسلام کے رہنماؤں کا فریضہ انجام دے سکے۔

تمام تر تعریف اور حمد وثنا کا مرکز رب العالمین ہے
اور درود وسلام ہو محمدؐ وآلِ محمدؐ پر
واللہ ولی التوفیق

وقت آغاز: ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ
اختتام: ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ
محمد باقر الصدر النجف الاشرف

اختتام ترجمہ ونظر ثانی ۹ شعبان ۱۴۰۱ھ
بروز جمعۃ المبارک